نفحاتِ حرم

اہلِ قلم کی علمی کاوشوں کا مبلغ
شمارہ جنوری ۲۰۲۱

مدیرِ اعلی
ابو محمد عارفین القادری

ناشر: نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

شرفِ انتساب

امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

امام الارض ابراہیم بن ادہم

اعلی حضرت امام احمد رضا خان

رحمة الله تعالى عليهم أجمعين

مدیرِ اعلیٰ

مولانا ابو محمد عارفین القادری

سن وماہ اِجرائے اشاعت

ستمبر ۲۰۲۰ء مطابق محرالحرام ۱۴۴۲ھ

تحریر بھیجنے اور پی ڈی ایف شمارہ اور یونیکوڈ تحریر حاصل کرنے کے ذرائع

ای میل: arfeenjaipuri@gmail.com

واٹس اپ + ٹیلی گرام: +923333403632

فیس بوک: https://www.facebook.com/Nafhateharam

(اسلامی بہنیں ای میل اور فیس بک لنک پر میسج کرکے ایڈمن اسلامی بہن کا نمبر لے سکتی ہیں، جہاں پر تحریر بھیجی اور لی جاسکتی ہے)

جاری کردہ: نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

تحریر ارسال کرنے کی شرائط

نمبر	شرائط
1	مُحرر سنی صحیح العقیدہ ہو۔[1]
2	تحریر امیج کی صورت میں نہ ہو بلکہ ٹیکسٹ کی صورت میں ہو۔
3	موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ دینی دنیاوی کسی بھی موضوع پر تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔
4	زبان کی کوئی قید نہیں ہے۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی کسی بھی زبان میں تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔
5	تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے اور اس کی شمولیت کا فیصلہ نفحاتِ حرم بورڈ کرے گا۔ (معیاری سے مراد مواد اچھا اور بامقصد ہو، محض الفاظ کا ہیر پھیر، مترادف جملوں، پیرایوں اور دلیلوں کی تکرار نہ ہو)
6	حوالے جات ضروری ہے، کوئی اقتباس بغیر حوالے کے قبول نہیں ہو گا، ممکن ہو تو حوالے کی مکمل تخریج کی جائے۔ مثلاً شرح صحیح مسلم للنووی، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۱، کتاب السیر، دارالفکر، بیروت۔

الحمدللہ! نفحاتِ حرم نے اسلامی بہنوں کے لئے بھی یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی تحاریر بھیج سکتی ہیں بلکہ ہم انہیں ترغیب دلائیں گے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے عمدہ تحاریر لکھنے کی کوشش کریں اور امتِ مسلمہ کی فکری اصلاح کو مستحکم بنائے رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

---

[1] محررین کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بیان کردہ عقائد و نظریات کی تشریحات سے متفق ہونا ضروری ہے۔

فہرست مشمولات

(نوٹ: ادارے کا مضمون نگار کی آراو تحقیق سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے)

صدائے نفحاتِ حرم

اس وقت اہلسنت وجماعت قحط الرجال سے دوچار ہے، کہنے کو افرادی قوت زیادہ ہے مگر امت کو سنبھالا دینے والے علمائے کرام ومشائخِ عظام قلیل درد قلیل ہوتے جارہے ہیں، سال ۲۰۲۰ء اس معاملے میں عام الحزن قرار پایا جس میں بکثرت علمائے ذوالاحترام نے وصالِ حق فرماکر دنیا کو خیر باد کہا۔ حال یہ ہے کہ شہر کے شہر علومِ دینیہ وفنونِ ضروریہ کے ماہرین سے مفقود ہیں یا قلیل ہیں اور جو موجود ہیں اُن کے بعد اُن جیساڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

یہ معاملہ توعلوم وفنون سے متعلق ہے رہامیدانِ جہاد تووہ خالی پڑا ہے، دور دور تک کوئی شہسوار نہیں، سینکڑوں سالوں بعد کوئی مردِ حق سامنے آتا ہے، اس سے اِستفادہ ابھی مکمل نہیں ہوپاتا کہ وہ بھی داغِ فرقت دے کر واصل الی اللہ ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مردانِ حق میں ایک نام محافظِ ناموسِ رسالت، فدائے ختمِ نبوت، اِمامِ جرات و عزیمت، جبلِ استقامت، فنائے عشقِ ماہِ رسالت، امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ۱۹ نومبر ۲۰۲۰ء جمعہ کی شب وصال فرماگئے۔ اللہ کریم ان کی خدماتِ جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، آمین۔

علامہ خادم حسین رضوی موجودہ دور میں تین بڑے فتنوں کے خلاف حق کی دیوار بن کر کھڑے رہے یعنی ناموسِ رسالت ﷺ سے متعلق اٹھنے والی شر انگیزیوں کے خلاف عملی جدوجہد، لبرل وسیکولر طبقوں کے لئے سیفِ جبار اور قادیانیت کے حق میں خدائی مار ثابت ہوئے۔ آپ نے اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کی جب تک زندہ رہے آن شان کے ساتھ ذکرِ مصطفی ﷺ کی شمع فروزاں کرتے رہے، ان کے قلب میں عشقِ رسول ﷺ ایسار چابسا تھا کہ اپنے آقا ﷺ کے علاوہ کسی سے امید نہ سروکار، وہ اکثر اعلی حضرت امام احمد رضا خان کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے؛

اُنہیں جانا اُنہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام ✓ للہِ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

یقیناوہ ایک عظیم سرمایہ تھے، اُن کی رحلت ایک بڑا حادثہ اور اہلسنت میں ایسا خلا ہے جسے پُر ہونے میں شاید سالوں درکار ہوں گے۔ اللہ کریم اُن کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادے حافظ محمد سعد رضوی کو ان کا سچا جانشین بنائے۔ آمین۔

(ادارہ)

علامہ خادم حسین رضوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ (۱۹۶۶-۲۰۲۰)

(✍ پروفیسر علامہ مفتی منیب الرحمن ہزاروی)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کے سچے محب، پاسبانِ ختمِ نبوت، محافظِ ناموسِ رسالت، مجاہدِ حرمتِ مقدّساتِ دین علامہ خادم حسین رضوی آن بان اور شان کے ساتھ جیے اور اُس سے بھی بڑی شان کے ساتھ عازمِ سفرِ آخرت ہوئے۔ جیے تو لبرلز کے سینے پر مونگ دلتے رہے، اُن کے دلوں میں چبھتے رہے، آنکھوں میں کھٹکتے رہے اور سفرِ آخرت پر چلے تو سب کو شرمسار کرگئے۔ سارے لبرلز زندگی میں انہیں کوستے رہے، دل کی بھڑاس نکالتے رہے، اپنی دانست میں اُنکے وڈیو کلپ نکال نکال کر عوام کے دلوں میں اُن کے وقار کو کم کرنے کی سعی کرتے رہے، لیکن اُن کی وفات کے بعد وہی لوگ عوام کے دلوں میں اُن کی بے پناہ محبت کے مظاہر دیکھ کر عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے، فیضؔ نے شاید انہی کیلئے کہا تھا:

؎ مرے چارہ گر کو نوید ہو، صفِ دشمناں کو خبر کرو — جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر، وہ حساب آج چکا دیا

؎ جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے — رہِ یار ہم نے قدم قدم، تجھے یادگار بنا دیا

؎ کرو کج جبیں پہ سرِ کفن، مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو — کہ غرورِ عشق کا بانکپن، پسِ مرگ ہم نے بھلا دیا

چونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی بارگاہ میں حضوری کے سفر پر جارہے تھے، اس لیے غرورِ عشق کا بانکپن نہیں تھا بلکہ بندگی کا عَجز تھا، غلامی کی تواضع تھی، اپنے آقا کے حضور نیاز بھی اور اُن کی رحمت پر ناز بھی تھا۔ سر پر دستار سجی تھی، لبوں پر ہلکی سی تبسم کی کیفیت تھی۔ لوگوں کو گلہ رہتا تھا کہ علامہ خادم حسین رضوی کے چہرے پر ہمیشہ کرختگی اور غیظ وغضب کی کیفیت طاری رہتی ہے، یہ کیفیت دراصل گستاخانِ رسول کے لیے تھی، دشمنانِ دین کے لیے تھی، اُن کا چہرہ اُن کی قلبی کیفیات کا آئینہ دار تھا، ظاہر و باطن ایک تھا، اُن کی

عقائد و نظریات میں منافقت، ریا اور باطل سے مفاہمت کا شائبہ تک نہ تھا۔ دنیا والوں سے بے پروا رہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرّم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے لَو لگائے رہے، اُن کے ناقدین کو کیا خبر کہ انہوں نے اپنا تبسّم کسی اور مرحلے کے لیے بچا رکھا تھا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چوں مرگ آید، تبسّم بر لبِ اُوست

ترجمہ: "اے مخاطب! تجھے مردِ مومن کی نشانی بتاتا ہوں، جب موت کا وقت آتا ہے تو اُس کے لبوں پر تبسم آمیز کیفیت ہوتی ہے۔"

علامہ یحییٰ بن شرف الدین نووی نے لکھا ہے:

"رِبْعِی بِن حرَاش جلیل القدر تابعی تھے، دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اُن کا وصال ہوا، زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا، انہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ اپنا انجام معلوم ہونے تک ہنسیں گے نہیں، سو زندگی بھر نہ ہنسے، مگر جب وفات پائی تو اُن کی میت کو غسل دینے والے نے کہا: وہ مسلسل اپنے تخت پر مسکراتے رہے اور ہم انہیں غسل دیتے رہے اور یہ کیفیت آخر تک جاری رہی، اُن کی اس کیفیت کو دیکھ کر اُن کے بھائی ربیع نے بھی ایسی ہی قسم کھائی اور ایسی ہی قابلِ رشک موت انہیں نصیب ہوئی۔" (شرح النووی علیٰ مسلم، ج:1، ص:66)

مولانا آسی غازی پوری نے کہا تھا:

؎ اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ   ہے شبِ گور بھی، اُس گُل سے ملاقات کی رات

امام احمد رضا قادری نے بحرِ عشقِ مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی گہرائیوں میں ڈوب کر کہا:

؎ جان تو جاتے ہی جائے گی، قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

؎ تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت   میری گردن میں بھی ہے، دُور کا ڈورا تیرا

؎ اس نشانی کے جو سگ ہیں، نہیں مارے جاتے   حشر تک میرے گلے میں رہے پٹّا تیرا

ہماری یہ باتیں دیوانوں کی باتیں ہیں، عقل کے پرستار اسے نہ پڑھیں، اُن کی صحت پر شاید اچھا اثر مرتب نہ ہو۔ حال ہی میں ایک یوٹیوب چینل کے لیے ایک انٹرویو میں مجھ سے سوال ہوا: ”علامہ خادم حسین رضوی کے بارے میں کہا جاتا ہے: یہ پلانٹڈ تھے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“، میں نے جواب میں عرض کیا: ”پلانٹڈ کے معنی ہیں: کسی کا کاشت کیا ہوا پودا، کسی کی جانب سے اپنے ایجنڈے پر لانچ کیا ہوا فرد، الغرض ہمارے ہاں بدگمانی اور بدنیتی کا شعار عام ہے، سو میرا سوال یہ ہے: اگر علامہ خادم حسین رضوی جیسے شاہکار کسی ٹکسال میں ڈھلتے ہیں یا کسی ادارے کی جانب سے پلانٹ کیے جاتے ہیں، تو آپ کی مشینیں اور ٹکسال بند تو نہیں ہوگئے، ایسا کوئی شاہکار دوسرا پیدا کر کے دکھایئے اور پھر اسے ملک کے اندر اور بیرونِ ملک کروڑوں انسانوں کے دلوں میں بٹھا کر دکھا دیجیے، ہم آپ کی کرامت یا کرشماتی کمال کو تسلیم کرلیں گے، مسیحائی اور مُردوں میں جان ڈالنے کا معجزہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اور اس سے بھی آگے بے جان میں جان ڈالنے کا اعجاز خاتَمُ النَّبِیّٖن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا تھا“۔ البتہ اگر ہم نادانوں کی بات پر کسی کو یقین آتا ہو تو ہمارا ایمان ہے: ایسے اشخاص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی جانب سے اپنے نوامیسِ مقدّسہ اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے رہے ہیں اور بھیجے جاتے رہیں گے۔ میری نظر میں علامہ خادم حسین رضوی ایسے اشخاص میں سے ایک تھے جو روز روز پیدا نہیں ہوتے۔

مفتی عابد مبارک راوی ہیں: ”علامہ خادم حسین رضوی کے جواں عمر صاحبزادے اور تحریک لبیک کے نومنتخب امیر حافظ سعد حسین رضوی نے بتایا: علامہ صاحب اپنے وصال سے کچھ پہلے کافی دیر تک اپنے تمام تر ہوش وحواس کے قائم رہتے ہوئے اُن سے باتیں کرتے رہے، اُس وقت انہیں شدید بخار تھا۔ سعد حسین رضوی بیان کرتے ہیں: میں نے باتوں کے دوران کہا: ابا جی! ہم دونوں خاموشی سے مدینۂ منورہ چلے جاتے ہیں، انہوں نے پنجابی میں اپنے فرزند سے کہا: جھلّیا! (دیوانے) تینوں ہوش اے، میں کس منہ دے نال حضور دی بارگاہ وِچ

جانواں گا، جے میں زندہ آں تے حضور دی گستاخیاں ہوریاں نیں"۔ پھر باپ نے بیٹے سے کہا:"میں تیری شادی دی تاریخ دسمبر وچ مقرر کردتّی اے، پر میں تیرا نکاح آپ نئیں پڑھانڑاں، میں کسی مولوی صاب کولوں پڑھاواں گا، اپنڑی ماں نو آکھیں: لفافہ بھاری جیا تیار کر کے رکھے" اور واقعی وہ اپنے بیٹے کا نکاح نہ پڑھا سکے، اُن کی پیشگوئی کے مطابق کوئی اور ہی پڑھائے گا۔ سعد بیان کرتے ہیں:"پھر والد نے کہا: مجھے رضائی اوڑھادو اور بتی بند کردو، اتنے میں انہوں نے جھرجھری لی، چہرہ قبلے کی طرف ڈھلک گیا اور روح پرواز کرگئی، فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى. انہوں نے خود اپنے ایک خطاب کے دوران کہا:

؎ جب روح میرے پیراہن خاکی سے نکلے — تو روضے سے آواز آئی:"او میرا فقیر آیا"

علامہ خادم حسین رضوی، مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر کا مصداق تھے:

؎ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دعالم سے خفا میرے لیے ہے

انہوں نے اپنے ایک خطاب میں معترضین کو جواب دیتے ہوئے کہا: منافق کسی حال میں راضی نہیں ہوتا، مولوی حق کے لیے نہ نکلے تو کہتے ہیں:"حرام خور ہو گیا" اور نکلے تو کہتے ہیں:"حلوہ خطرے میں پڑ گیا" اور جب کامیابی ملتی ہے تو کہتے ہیں:"اکیس کروڑ روپے لے لیے"۔

حضرت ابو بکر صدیق نے اپنی ساری متاعِ زیست بارگاہِ رسالت میں لاکر پیش کردی، تو منافقین نے اسے ریاکاری سے تعبیر کیا اور حضرت ابو عقیل انصاری شب بھر مزدوری کر کے دو کلو لے کر آئے تو منافقین نے کہا: اللہ کو اس حقیر صدقے کی کوئی حاجت نہیں ہے، آگے پتا چل جائے گا:

؎ ہم سوئے حشر چلیں گے شہِ ابرار کے ساتھ — قافلہ ہو گا رواں قافلہ سالار کے ساتھ

؎ یہ تو طیبہ کی محبت کا اثر ہے ورنہ — کون روتا ہے لپٹ کر در و دیوار کے ساتھ

میں نے اُن کے سوُم کی محفلِ ایصالِ ثواب میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا تھا: ''علامہ خادم حسین رضوی دنیاوی رشتوں کے حوالے سے میرے کچھ نہیں تھے، لیکن دینی رشتے کے حوالے سے میرا سب کچھ تھے، میں تحریک لبیک پاکستان کا کبھی رکن نہیں رہا، مگر امیر المجاہدین علامہ خادم حسین رضوی اپنی تحریک سمیت میرے قلب میں رچے بسے رہے... میں آج لاکھوں انسانوں کو گواہ بنا کر اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں شہادت دیتا ہوں کہ خادم حسین رضوی نے اپنی بساط کے مطابق حسینی کردار کو زندہ کیا، نوجوانوں کے دلوں میں، انگ انگ میں، رُوئیں رُوئیں، ہر بُنِ مُو اور ہر قطرۂ خون میں عشقِ مصطفی ﷺ کو کُوٹ کر بھر دیا اور ایک ایسا روحانی کرنٹ دوڑا دیا کہ آنسو گیس کے گولوں کا ڈھیر بھی اُن کے عزم کو نہ توڑ سکا اور اُن کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی''۔

علامہ صاحب پر ایک نکتہ چینی ان کے بعض ریمارکس کے بارے میں ہوتی تھی، جن کے بارے میں اُن کا کہنا تھا: ''میرے پاس قرآن وحدیث سے منکرین ومنحرفین کے بارے میں جواز کے دلائل موجود ہیں''، میں نے ایک ملاقات میں ان سے عرض کیا: یہ دلائل ہمارے اکابر کے پاس بھی تھے، لیکن انہوں نے مخالفین کے بارے میں کبھی ایسا اندازِ بیاں اختیار نہیں کیا، چنانچہ 2018ء کے دھرنوں کے بعد انہوں نے یہ اندازِ بیاں ترک کر دیا، میں نے رب کریم کا اور ان کا شکر ادا کیا، مخالفین اب بھی وقتاً فوقتاً سوشل میڈیا سے ایسی باتیں نکال کر لے آتے ہیں، مگر شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی کی وفات کے بعد اس کا ذکر صرف اچھے اوصاف کے ساتھ کرنا چاہیے، کردار کی پاکیزگی کے لیے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ اس مردِ درویش نے، جس پر لوگ ہزاروں لاکھوں روپے نچھاور کرتے تھے، مسجد کے تین مرلے کے مکان میں ساری زندگی گزاری اور رب کی رضا پر راضی رہے۔

علامہ رضوی علیہ الرحمہ کے امتیازات

(✍ مولانا عون محمد سعیدی مصطفوی)

گزشتہ دنوں اہلِ سنت کو بالخصوص اور اہلِ اسلام کو بالعموم ایک روح فرسا اور اندوہ ناک صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ صدمہ امیر المجاہدین، فناء فی خاتم النبیین، استاذ العلماء، شیخ الحدیث علامہ خادم حسین رضوی علیہ الرحمۃ کی اچانک وفات کا سانحہ فاجعہ تھا۔ آپ کی وفات نے ہر اس آدمی کو سوگوار اور اشک بار کیا جس کے دل میں ذرا سا بھی اسلام اور اہل اسلام کا درد تھا۔ علامہ رضوی کو خدمت دین کے حوالے سے کثیر امتیازات حاصل ہیں۔ ہم ذیل میں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ دنیا بھر میں لبیک یا رسول اللہ کے نعرے کی گونج

اس میں کوئی شک نہیں کہ "لبیک یا رسول اللہ" کا نعرہ پہلے دن سے اہلِ سنت کی نمایاں پہچان رہا ہے۔ لیکن آج یہ نعرہ جس انداز اور جوش و جذبے سے قومی و بین الاقوامی سطح پر لگایا جا رہا ہے اور چار دانگ عالم میں اس کی گونج سنائی دے رہی ہے اس میں خالصتاً علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی محنتوں اور خلوص کا ہی عمل دخل ہے۔ آپ کی ہر ہر تقریر میں درجنوں بار یہ نعرہ ایک مخصوص طرز پر لگایا جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہر سنی بچے کی زبان پر یہ نعرہ جاری ہے۔

۲۔ ناموس رسالت پر جان تک قربان کر دینے والی عظیم فورس کی تیاری

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ انہوں نے کوئی سو دو سو نہیں بلکہ لاکھوں دلوں میں عشقِ رسالت کے چراغ روشن کر دیے۔ بالخصوص نوجوان طبقے کی توجہات کا مرکز و محور ذات رسول ﷺ کو بنا

دیا۔ یہ ان کی شبانہ روز کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اس وقت اہلِ سنت میں ناموس رسالت پر جان تک قربان کرنے والی ایک عظیم فورس تیار ہو چکی ہے۔

۳۔ گستاخان رسول کے ایوانوں میں کھلبلی

قوم نے ایسے مذہبی قائدین بھی دیکھے ہوں گے جو ناموسِ رسالت کے معاملے میں طرح طرح کی مصلحتوں کا شکار ہو گئے اور ان کی آواز بیٹھنا شروع ہو گئی۔ لیکن علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ والا صفات مستقلاً قومی و بین الاقوامی گستاخانِ رسول کے لیے شمشیر بے نیام رہی۔ انہوں نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر انہیں ہمیشہ ڈنکے کی چوٹ پر للکارا۔ جس کی وجہ سے ان کی صفوں میں شدید ترین کھلبلی رہی۔

۴۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کا زبردست شعور

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کے نہ صرف یہ کہ خود محافظ تھے بلکہ انہوں نے عوامِ اہل سنت میں بھی اس کا زبردست شعور پیدا کیا۔ جب بھی حکومتی ایوانوں میں اس حوالے سے کسی قسم کی گڑبڑ کی کوشش کی گئی وہ اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے اور انہیں ہزیمت سے دوچار کیا۔ قادیانیت ہمیشہ ان کی للکار سے لرزہ براندام رہی۔ ''تاجدار ختم نبوت: زندہ باد، زندہ باد'' کا نعرہ دشمنانِ ختم نبوت لیے تیغ براں سے کم نہ تھا۔

۵۔ افکار و کلام اعلی حضرت کا فروغ

علامہ رضوی نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام اور افکار و نظریات کو بھی خوب فروغ دیا۔ بالخصوص اعلیٰ حضرت کا یہ مصرع ''انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام'' تو ان کی خاص پہچان بن گیا۔ آپ کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا کثیر کثیر کلام زبانی یاد تھا۔

۶۔ فکرِ اقبال کا احیا

اگر شاعرِ مشرق، حکیم الامت علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ آج زندہ ہوتے اور علامہ رضوی کی بلند خیالی و بلند پروازی کو ملاحظہ فرماتے تو بے شک وہ پکار اٹھتے کہ میرے کلام میں پیش کردہ شاہین یہی تو ہے۔ علامہ رضوی کو کلام اقبال جس طرح ازبر تھا اس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ انہوں نے کلام اقبال کے ذریعے قوم کے مردہ جسم میں روح پھونکی اور اسے منزل آشنا کیا۔ یقیناً ان کے وصال پر ان کا استقبال کرنے والی ارواح میں علامہ اقبال بھی ضرور شامل ہوں گے۔

۷۔ اسلامی انقلابی نظامِ سیاست کا شعور

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے اہل اسلام کو بالعموم اور اہل سنت کو بالخصوص اسلامی انقلابی نظام سیاست کا شعور دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ان پر لاکھوں افراد کے عوامی اعتماد کو دیکھ کر عرصہ دراز سے کام کرنے والی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں انگشت بدنداں ہیں۔ علامہ رضوی اسلام کے اس نظریے کے داعی تھے "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"۔

۸۔ یزیدانِ عصر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات

علامہ رضوی اس حوالے سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سچے خادم اور مکمل طور پر ان کے نقش قدم پہ تھے۔ انہوں نے اپنے مقتدا و پیشوا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح پوری جرأت کے ساتھ یزیدانِ عصر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور انہیں برسرِ منبر للکارا۔ جس پر ان کے جلسوں، ریلیوں اور دھرنوں کے گونج دار اور گرج دار خطابات شاہد عادل ہیں۔ انہوں نے حق گوئی و بے باکی میں کبھی بھی کسی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیا۔ یقیناً وہ اس شعر کے حقیقی مصداق تھے:

؎ میں سر بکف ہوں، لڑا دے کسی بلا سے مجھے مفاہمت نہ سکھا جبرِ ناروا سے مجھے

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک پچپن سال تھی جبکہ ان کے خادم علامہ رضوی نے چون سال کی عمر پائی۔ یہ ایک عظیم اشارہ ہے کہ وہ مکمل طور پر سیدنا امام حسین کے نقش قدم پر تھے۔

۹۔ عشقِ رسول میں لازوال وبے مثال فنائیت

علامہ رضوی کی زندگی کا تجزیاتی مطالعہ کرنے والا یقینا یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انہیں شرابِ عشقِ احمد کی صرف دو چار بوندیں نہیں بلکہ پورے کا پورا جام حاصل تھا۔ ان کے عاشقانہ بیانات سے صرف اُنہی کی فنائیت کا اظہار نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنے ساتھ ساتھ وہ بے شمار سامعین کو بھی مقامِ فنا تک پہنچا دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں یہ جسم سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر قربان کرنے کے لیے ہی تو دیا گیا ہے۔ ان کے مطابق جب مرنا بر حق ہے تو پھر بندہ کیوں نہ نامِ مصطفی پر قربان کر کے عزت سے مرے۔ وہ اکثر اس شعر پر وجد میں آجاتے تھے:

؎ زمانے بھر کی ہر ایک نعمت انہی کے صدقے خدا نے دی ہے
گر ان کی عزت پہ حرف آیا تو اپنی عزت کو کیا کریں گے

۱۰۔ جذبۂ جہاد کی از سرِ نو بیداری

علامہ رضوی اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ جہاد اسلام اور اہل اسلام کی بقا کا ضامن اور عالمِ کفر کو لگام دینے کا واحد ذریعہ ہے، اس لیے انہوں نے پورے جوش و جذبے کے ساتھ قوم میں جذبۂ جہاد کو از سر نو بیدار کیا۔ وہ اپنے بیانات میں اسلام کی چودہ سو سالہ جہادی تاریخ کے لگاتار و پیہم حوالے دیتے تھے۔ بجا طور پر ان کا یہ کہنا تھا کہ گستاخیٔ رسالت کے مرتکب ممالک کا علاج صرف احتجاج نہیں بلکہ ان پہ ایٹم بم گرانا ہے۔ یہ انہی کی

کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج بچے بچے کی زبان پر ''الجہاد الجہاد: لبیک لبیک'' کا نعرہ ہے۔ لہذا انہیں امیر المجاہدین کہنا ان کا بنیادی حق ہے۔

۱۱۔ کشمیر واہل کشمیر کے حقوق کے لیے توانا آواز

مقبوضہ کشمیر میں گزشتہ پون صدی سے تا حال مسلمان بچوں، جوانوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کا نہایت بے رحمی سے قتل عام جاری ہے۔ اس سنگین ترین معاملے پر مختلف سیاسی و مذہبی جماعتیں اپنی اپنی دکانداریاں چمکاتی چلی آئی ہیں، لیکن اچھا ریٹ نہ ملنے کی وجہ سے اس وقت سب کا کاروبار سرد ہے۔ ان سرد حالات میں بھی گزشتہ کئی سالوں سے بابا جی علامہ خادم حسین رضوی کی مخلصانہ آواز بہر حال پوری قوت کے ساتھ گونجتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کشمیر علامہ رضوی کے وصال پر نہایت رنجیدہ اور دکھی ہیں۔

۱۲۔ بھارتی حکمرانوں کے لیے شمشیر بے نیام

علامہ رضوی دنیا بھر کے تمام اور بالخصوص بھارت کے ظالم حکمرانوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مظلوم مسلمانوں کے لیے آواز بلند کی۔ وہ ببانگِ دہل بابری مسجد کا بدلہ لینے کی بات کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قطب مینار بھی ہمارا ہے، جامع مسجد دہلی بھی ہماری ہے اور تاج محل بھی ہمارا ہے۔ وہ اپنے اسٹیج سے بھارتی حکمرانوں کی چیرہ دستیوں پر انہیں وقتاً فوقتاً للکارتے رہتے تھے۔ انہوں نے حکومتِ وقت سے بارہا بھارتی حکمرانوں کے خلاف اعلانِ جہاد کا مطالبہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی حکومت نے ان کی وفات پر بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

۱۳۔ تحفظِ ناموسِ صحابہ واہلِ بیت کی علم برداری

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ نے جہاں ناموسِ مصطفی کی پاسبانی کی وہاں ناموسِ صحابہ و اہلِ بیت کی بھی خوب خوب پہرے داری کی۔ انہوں نے صحابہ و اہل بیت کے نفوس قدسیہ پر بھونکنے والوں کو بر سر منبر للکارا۔ جس کی وجہ

سے رافضیت وناصبیت ہر دو ایوانوں میں وہ ناپسندیدہ قرار پائے۔ انہوں نے کبھی بھی پرواہ نہیں کی کہ اس طرح وہ کئی لوگوں کی حمایت سے محروم ہو جائیں گے۔ اور یہی ایک سچے اور مخلص عالم دین کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔

نکل جاتی ہے سچی بات جس کے منہ سے مستی میں ۔۔۔ فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

۱۴۔ لاکھوں دلوں میں شریعت مطہرہ پر عمل کا جذبہ

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے لاکھوں دلوں میں شریعت مطہرہ پر عمل کا جذبہ پیدا کیا۔ بہت سے بے نمازی، نمازی بن گئے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے چہرے سنت رسول سے سجا لیے۔ بہت سے لوگوں نے سر پر دستاریں باندھنا شروع کر دیں۔ بہت سے لوگوں نے ان کی طرز پر تقریریں کرنا شروع کر دیں۔ بہت سے لوگوں نے کثیر کثیر گناہوں کے کام ترک کر دیے۔ انہوں نے مروجہ پیروں اور لیڈروں کی طرح نہ تو عوام سے اپنے نعرے لگوائے اور نہ ہی اپنے ترانے پڑھوائے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے نقش قدم پر چلانے کی بجائے محمد عربی ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا درس دیا۔ یقیناً اس صدقہ جاریہ کا ثواب بھی علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی روح مبارک کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔

۱۵۔ فرنگی تعلیم کی بجائے دینی تعلیم کی عظمت کا جذبہ

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ نے لوگوں میں یہ شعور بھی بیدار کیا کہ عزت، شہرت، دولت اور ہر نعمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، لہذا ضروری نہیں کہ یہ سب کچھ فرنگی تعلیم سے حاصل ہو۔ یہ سب کچھ دینی تعلیم سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا اگر اے بی سی پڑھنے سے روزی مل سکتی ہے تو قال اللہ و قال الرسول سے بھی مل سکتی ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی قرآن و حدیث کی تعلیم پر لگایا اور ان کی تربیت کی وجہ سے ان کے چاہنے والے کثیر لوگوں نے بھی اپنے بچوں کو حصولِ علمِ دین کی راہ پر لگایا جس کی وجہ سے مدارسِ دینیہ آباد و شاد ہو گئے۔

۱۶۔ دین کی سربلندی کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کا ذہن

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ نے جو سب سے اہم کارنامہ سر انجام دیا وہ یہ کہ زبردست تربیت کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے موت کا خوف دور کر دیا۔ انہیں ہر طرح کی قربانی دینے کا ذہن دیا۔ بالخصوص کسی بھی قسم کی حالات کی پرواہ کیے بغیر میدان میں نکلنے اور ہر طرح کے باطل سے لڑنے کا جذبہ پیدا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ایک اشارے پر ملک کے چپے چپے، کونے کونے اور گوشے گوشے سے لوگ سر پہ کفن باندھ کر لاکھوں کی تعداد میں باہر نکل آتے تھے اور دو دو فٹ اوپر اچھل کر لبیک کے نعروں سے ایک سماں باندھ دیتے تھے۔ علامہ صاحب کے مختلف دھرنوں میں کافی تعداد میں لوگ بھوکے پیاسے بھی رہے، سردی گرمی بھی برداشت کی، شیلنگ و فائرنگ وغیرہ کے سبب زخمی و معذور بھی ہوئے حتی کہ کئی سعادت مندوں نے جام شہادت بھی نوش کیا۔

۱۷۔ حکمرانوں اور سیاست دانوں کی آنکھیں کھول دینے والا شاندار اسوہ

ہمارے سیاست دان اور حکمران بہت زیادہ پروٹوکول کے متمنی، شہرت کے بھوکے اور عزت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود ہزار جتن کے وہ یہ سب حاصل نہیں کر پاتے۔ صرف وقتی اور مصنوعی قسم کی نمائش ہوتی ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن علامہ رضوی کو باوجود معذوری اور درویشی کے جو فلک بوس اور ریکارڈ توڑ پروٹوکول، شہرت اور عزت حاصل ہوئے اس سے تمام سیاست دانوں اور حکمرانوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس میں ان کے لیے یہ سبق ہے کہ اگر وہ حقیقی عزت و شہرت چاہتے ہیں تو پھر سارے باطل نظریات کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سچے نظریے کے پیروکار بن جائیں۔

۱۸۔ طویل ترین عرصے کے لیے دین و مسلک کا استحکام

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی لازوال کوششوں، بے مثال قربانیوں اور باکمال تربیتوں کے نتیجہ میں دین کی کمزوری ایک بہت بڑی طاقت میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے ضعیف بدن میں ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ آئندہ طویل ترین

عرصے کے لیے دین اسلام باطل کے بہت زیادہ حملوں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو گیا۔ اب تمام دین دشمن طاقتیں، حکومتیں، افراد اور جماعتیں دینی عقائد و اعمال پر شب خون مارنے سے پہلے ہزار بار سوچیں گی کیونکہ رضوی شیروں کی ایک عظیم فورس ان کو پسپا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار بیٹھی ہے۔۔ یقینا یہ بھی غیب کی طرف سے علامہ رضوی کے ذریعے دین کی حفاظت کا ایک عظیم انتظام ہوا ہے۔

۱۹۔ جملہ مکاتب کی طرف سے زبردست پذیرائی کا حصول

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کو جو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ خلوص کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ جس کا عمل بے غرض ہو اس کی جزا منفرد اور جداگانہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رضوی کی خدمات کو بلا امتیاز دنیا بھر کے جملہ مذاہب، مسالک، مکاتب اور شعبہ ہائے زندگی کی طرف سے بہت زیادہ سراہا گیا۔ یہ ان کی کوششوں کا صرف چھوٹا سا دنیوی انعام تھا، قبر و حشر میں اس پر جو بڑے بڑے انعامات حاصل ہوں گے وہ ہمارے تصور سے بھی باہر ہیں۔

۲۰۔ امام احمد بن حنبل کی روحانی جانشینی

امام احمد بن حنبل وہ عظیم ہستی تھے جنھوں نے دین کی خاطر اپنے تن پہ سینکڑوں روح فرسا مظالم برداشت کیے۔ علامہ رضوی علیہ الرحمۃ بھی عصر حاضر میں ان کے سچے جانشین تھے، انھوں نے بھی ناموس رسالت اور ختم نبوت کی خاطر لگاتار جیلیں، گالیاں، مخالفتیں اور طرح طرح کے مظالم برداشت کیے۔ امام احمد بن حنبل ربیع الاول میں رب کے حضور حاضر ہوئے، جبکہ ان کے جانشین علامہ رضوی ان سے ایک قدم پیچھے ربیع الثانی رب کے حضور حاضر ہوئے۔ امام احمد بن حنبل کے جنازے میں بھی لاکھوں افراد شریک ہوئے اور ان کے جانشین کے جنازے میں بھی لاکھوں افراد شریک ہوئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ربیع الثانی میں ہی اپنے وقت کے عظیم مجدد اور سیدنا امام احمد بن حنبل کے مقلد غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کا وصال مبارک ہے۔

۲۱۔ قلیل وقت میں کثیر نتائج

علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی باقاعدہ عملی جدوجہد صرف دس سال کے قلیل عرصے پر مشتمل ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہے کہ اتنے قلیل وقت میں ان سے اتنا عظیم کام لے لیا ورنہ بے شمار مخلصین بھی ایسے ہوتے ہیں جنہیں اتنی جلدی اتنی زیادہ کامیابیاں نہیں ملتیں۔ باقی ان پیر صاحبان کی تو بات ہی نہ کریں جن کی نسلیں بھی دین کے نام پر مریدوں کے مال پہ پل رہی ہیں۔ ان کے کروفر، ان کے پروٹوکول، ان کے آداب مجلس، ان کے اخراجات آمد و رفت، ان کے نام کی مالائیں، ان کے زہد و تقوی کے شہرے، ان کے قصیدے اور ان کے القابات کھلم کھلا چغلی کھاتے ہیں کہ انہوں نے دین کی وہ خدمت نہیں کی جو دین نے ان کی خدمت کی ہے۔

۲۲۔ مذہبی قائدین کے لیے تازیانہ عبرت

بہت سے مذہبی قائدین کے دماغوں میں بھی ایک دوسرے کو مات دینے کا بھوت سوار ہوتا ہے جس کا ان کے طور طریقوں اور لب و لہجے سے خود ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایسے مذہبی لیڈروں کے لیے علامہ رضوی علیہ الرحمۃ کی مقبولیت یقینا ایک بہت بڑا تازیانہ عبرت ہے۔ علامہ رضوی نے سمجھا دیا کہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی بجائے آنکھیں بند کر کے دین کا کام کرتے چلے جاؤ، دنیا کی ساری عزتیں سمٹ کر تمہارے قدموں میں آ جائیں گی۔ اور اگر تم خود یا اپنے پیروکاروں کے ذریعے دین کی آڑ لے کر دوسرے مذہبی قائدین کی سرا یا علانیۃ کردار کشی کرنے کے چکروں میں رہو گے تو اس کا خمیازہ تمہیں بھی ایک دن ضرور بھگتنا پڑے گا۔ اور اس انداز میں دین کا فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔

۲۳۔ عظیم الشان تاریخی جنازہ

لاکھوں افراد پر مشتمل علامہ رضوی کا تاریخی جنازہ بھی ان کا ایک بہت بڑا امتیاز ہے۔ یقیناً یہ جنازہ ایک بہت بڑا ریفرنڈم تھا ہر طرح کی باطل سیاست کے خلاف، جھوٹی قیادتوں کے خلاف، گستاخی رسالت کے خلاف، دشمنان

ختم نبوت کے خلاف، لبرل ازم و سیکولر ازم کے خلاف، دین بے زاروں کے خلاف، بد دیانتی کے خلاف، عریانی و فحاشی کے خلاف، ظلم و تشدد کے خلاف، دہشت گردی کے خلاف، بد امنی کے خلاف، جہالت کے خلاف، عیاشی کے خلاف، سرمایہ داری و جاگیر داری کے خلاف۔

گویا علامہ رضوی اپنے عظیم الشان جنازے کی صورت میں ایک بہت بڑا علمی، دینی، فکری اور سیاسی سرمایہ پیچھے چھوڑ گئے ہیں اگر ان کے جانشین حکمت و فراست سے کام لیں تو وہ اسے کام میں لا کر ایک بہت بڑا عالمی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ اس سرمائے کا کیا کرتے ہیں۔ دیدہ باید۔

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ: شیرِ خدا بھی بابِ علم بھی

(مولانا غلام مصطفی نعیمی)

رات آہستہ آہستہ گہراتی جارہی تھی کہ اچانک بستر پر لیٹے ہوئے جوان کو اس کے کفیل نے بیدار کیا۔ کچھ ذمہ داریاں سپرد کیں اور اپنے ہی بستر پر لٹا دیا۔ عمر کا 23واں سال تھا۔ والد کا سایہ سر پر تھا نہیں۔ جس مہربان مربی کی کفالت میں تھے وہ خود شہر چھوڑ کر جارہے تھے۔ باہر دشمن ننگی تلواریں لیے اسی "مربی" کے منتظر تھے۔ رات کے خوف ناک سناٹے میں موت کی خاموش آہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ کسی بھی وقت بستر پر ننگی تلواریں گر سکتی تھیں۔ ایسے ماحول میں اس نوجوان نے اپنا بستر چھوڑ کر اپنے "کفیل" کا بستر سنبھالا۔ خوف ودہشت کے مہیب سناٹے کے درمیان اس نوجوان نے دشمنوں کی تلواروں کا ذرہ برابر خیال نہیں کیا اور نہایت بے خوفی کے ساتھ بستر پر لیٹ گیا۔

آپ جانتے ہیں دشمنوں کے بیچ بے خوفی سے لیٹنے والا نوجوان کون تھا؟؟

یہ نوجوان شیر خدا، باب مدینۃ العلم سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم تھے اور ان کے کفیل ومربی تاجدارِ کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے!!

اس کارنامے پر فخر کرتے ہوئے آپ کہا کرتے تھے:

؎ وَقَیتُ بِنَفسی خَیر من وطی الثریٰ وَمَن طاف بِالبَیت العتیق وبِالحجر

"میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اُس ذاتِ گرامی کی حفاظت کی جو اہلِ زمین اور کعبہ و حطیم کا طواف کرنے والوں میں سب سے بہتر بلند رتبہ ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت

آپ کی ولادت عام الفیل کے تقریباً 30 سال بعد 13 رجب المرجب کو ہوئی۔ آپ کے والد ابوطالب بن عبدالمطلب اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد تھیں۔ جناب ابو طالب حضور اقدس ﷺ کے سگے چچا تھے۔ اس رشتے سے حضرت علی آپ ﷺ کے چچازاد بھائی بھی ہوتے ہیں۔

جس وقت حضور ﷺ شکمِ مادر میں تھے تو والد کے سایے سے محروم ہوئے۔ چار سال کی عمر میں مُشفقِہ والدہ اور چھ سال کی عمر میں شفیق دادا بھی رخصت ہو گئے۔ امتحان و آزمائش کے زمانے میں جناب ابوطالب نے آگے بڑھ کر یتیم بھتیجے کے سر پر دست شفقت رکھا۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار دیا۔ زندگی کے کسی لمحے مہربان باپ کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ قدرت کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں۔ وقت نے پلٹا کھایا اور ابو طالب مالی مشکلات کا شکار ہوئے۔ مہربان چچا کی مشکلات دیکھ حضور اکرم ﷺ نے آگے بڑھ کر حضرت علی کو اپنی کفالت میں مانگ لیا۔ اس طرح حضرت علی حضور علیہ السلام کی تربیت میں پروان چڑھے۔ جس ذات کی پرورش اور تربیت نورِ نبوت کے جلووں میں ہوئی ہو اس کی علمی و روحانی رفعتوں کا اندازہ بھلا کون لگا سکتا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ اولین مسلمانوں سے ہیں

جس وقت حضور علیہ السلام نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ دس سال کے تھے۔ عرب معاشرے میں بت پرستی عام تھی مگر اپنی سلجھی ہوئی طبیعت اور نبیٔ کونین ﷺ کی تربیت کی بدولت کفر و شرک کی گندگی سے ہمیشہ دور رہے۔ معاشرے کی دیگر خرابیاں بھی آپ کے دامنِ عفت پر کوئی داغ نہ لگا سکیں اور آپ تمام برائیوں سے محفوظ رہے۔ زمانۂ کفالت میں ایک روز آپ نے حضور ﷺ اور سیدہ خدیجہ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ عمر بھلے ہی کم تھی مگر آپ کی فہم و فراست نے سمجھ لیا کہ یہ طریقۂ عبادت اہلِ مکہ سے جدا اور منفرد ہے۔ آپ نے حضور ﷺ سے سوال کیا۔ عموماً اس عمر کے بچوں کو جواب کی بجائے ٹال دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ بچوں کا ذہن

گہری اور بڑی بات کا متحمل نہیں ہوتا۔ مگر حضور جانتے تھے کہ علی کم عمر ضرور ہیں مگر اعلی درجے کے فہیم وذکی ہیں۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے آپ پر دعوت اسلام پیش کی۔ پیغامِ اسلام سن کر آپ نے غور کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ غور وفکر کے بعد اسلام کی حقانیت نے آپ کے دل کے دروازے کھول دئے اور آپ کلمہ پڑھ کر دامن رسالت سے وابستہ ہوگئے۔ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أوّل مَن أَسْلَمَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ عَلِيّ.

"رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی ہیں۔" (مصنف ابن ابی شیبہ۔ 7/263)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

وَكَانَ أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ خَدِيْجَة.

"حضرت علی نے سیدہ خدیجہ کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔" (مسند احمد۔ 1/331)

ان روایتوں کے مطابق حضرت علی نے سب سے پہلے یا حضرت خدیجہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ بعض روایتوں کے مطابق سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیق نے اسلام قبول کیا، امام ترمذی لکھتے ہیں:

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ عَلِيٌّ، وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ أَبُو بَكْرٍ، وَأَسْلَمَ عَلِيٌّ وَهُوَ غُلَامٌ ابْنُ ثَمَانِ سِنِينَ، وَأَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ النِّسَاءِ خَدِيجَةُ.

"سب سے پہلے ایمان لانے کے سلسلے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے، بعض راویوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق نے اسلام قبول کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی اسلام لائے

ہیں اور بعض اہل علم نے کہا ہے: بڑے مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے اسلام لائے اور علی جب اسلام لائے تو وہ آٹھ سال کی عمر کے لڑکے تھے، اور عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ نے اسلام قبول کیا۔"
(سنن ترمذی: رقم الحدیث 3734)

ممکن ہے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ آخر ان روایتوں میں اتنا فرق کیوں ہے؟

جواب بڑا سادہ سا ہے حضرت خدیجہ آپ کی شریک حیات تھیں اور حضور ﷺ کی بدلتی ہوئی کیفیت کی عینی شاہد بھی، آپ نے ہی سب سے پہلے حضور ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا۔ لیکن یہ گھر کا معاملہ تھا۔ گھر کے باہر سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیق ہی وہ شخص تھے جو معاشرے میں ایک پہچان رکھتے تھے۔ اس لیے جب آپ نے قبولِ اسلام کیا تو پورے مکے میں اس بات کا چرچا ہوا۔ حضرت علی اس وقت نوعمر تھے اس لیے ان کے ایمان کی شہادت گھر کے قریبی افراد نے ہی دی جبکہ حضرت ابو بکر کے قبول اسلام کا سارے مکے کو پتا تھا۔ بس ہر ایک نے اپنی معلومات کے حساب سے روایت بیان کی۔ اور بہترین بات وہی ہے جسے امام ترمذی نے بیان کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جنگِ خیبر

جنگِ خیبر کا معرکہ گرم تھا۔ کئی حملوں کے بعد اخیر میں اسلامی لشکر کا عَلَم سیدنا علی المرتضی کے حصے میں آیا۔ آپ فوج لیکر قلعہ قموص پہنچے اور یہودیوں کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ مسلمانوں کی پُر امن دعوت کا جواب اینٹ پتھروں سے دیا گیا۔ اس سے بھی جی نہیں بھرا تو قلعہ کا سردار مُرحّب پورے دَل بَل کے ساتھ مقابلے پر اترا۔ چہرے پر زرد رنگ کا نقاب اور سر پر پتھر کا خَود پہن کر اتراتے ہوئے کہا:

؎ قَد عَلِمَتْ خَيبَرُ أَنِّي مُرَحّب ‏ ‏ ‏ ‏ شَاكي السّلاح بَطَل مُجَرّب

س "خیبر اچھی طرح جانتا ہے کہ میں مُرَحب ہوں۔ اسلحہ پوش اور اعلی درجے کا تجربہ کار بہادر ہوں۔"

عقل مند کہتے ہیں کہ اصل جنگ ہتھیار سے نہیں دماغ سے لڑی جاتی ہے۔ایک بار فریقِ مخالف کے دماغ میں مدِ مقابل کا خوف بیٹھ جائے تو معمولی وار سے بھی طاقت ور دشمن کو زیر کیا جاسکتا ہے۔مرحب ایک تجربہ کار فوجی تھا۔اس نے مولی علی پر اسی نفسیاتی وار کا حملہ کیا تا کہ آپ مرعوب ہو جائیں۔مگر آج مرحب کا برا دن تھا۔اس کا مقابلہ اس جوان سے تھا،جو بہادری کے ساتھ نفسیات جیسے کتنے ہی علوم کا ماہر بھی تھا۔مرحب کے نفسیاتی وار کو کاٹتے ہوئے آپ نے بڑی جواں مردی اور شان بے نیازی سے جواب دیا:

؎ أَنا الذي سَمَّتنِي أُمِّي حَيدَره کَلَیثِ غَابَاتٍ کَرِیهِ المَنظَره

"میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔میں کچھار کے شیر کی طرح ہیبت ناک ہوں۔"

نفسیاتی وار خالی جاتے دیکھ مرحب نے تلوار نکالی اور آپ پر زبر دست حملہ کیا۔آپ نے نہایت پھرتی سے خود کو بچایا۔اب باری آپ کی تھی،ذوالفقار حیدری بجلی کی طرح چمکی ابھی نگاہ ڈھنگ سے ٹھہر بھی نہ پائی تھی کہ تلوار مرحب کے سر پر قہر خداوندی بن کر ٹوٹ چکی تھی۔وار کی شدت کا عالم یہ تھا کہ تلوار نے پہلے خَود کو کاٹا،پھر مغفر اور سر کو کاٹتی ہوئی مُرحب کے دانتوں تک اتر آئی۔ایک ہی وار میں مرحب لاش میں بدل چکا تھا۔

؎ شاہِ مرداں،شیر یزداں،قوتِ پروردگار لافتی الا علی،لا سیف الا ذوالفقار

حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے پڑھنے کے شوقین

سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے اُن اہم افراد میں شامل تھے جو تعلیم کا ماحول نہ ہونے کے باوجود لکھنے پڑھنے کا اعلی ذوق رکھتے تھے۔صلحِ حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں اور کافروں کے مابین جو صلح نامہ لکھا گیا وہ آپ نے ہی لکھا تھا۔اسی موقع پر نبی اکرم ﷺ کی ذات سے آپ کی بے لوث محبت کا ایک عدیم المثال منظر بھی سامنے آیا۔معاہدہ لکھتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا: هَذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ

"یہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے تحریری صلح فرمائی۔"

کفارِ مکہ کے سفیر سہیل بن عمرو نے ”رسول اللہ“ کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان اسی بات کا تو جھگڑا ہے۔ اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو اس صلح کی ضرورت ہی کیا تھی؟

فَلَوْ نَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ لَمْ نُقَاتِلْكَ

”اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے ہر گز نہ لڑتے۔“

حضور نے یہ سن کر حضرت علی کو لفظ ”رسول اللہ“ مٹانے کا حکم دیا۔ اب حضرت علی کے لیے آزمائش کا مرحلہ تھا۔ عقل کا اصرار تھا کہ وہ لفظ مٹا دیا جائے مگر عشق کہتا تھا جس ذات کو ”رسول اللہ“ کو مان کر ابدی عزت ملی ہے، اس لفظ کو کس طرح مٹاؤں؟

عقل و عشق کے مابین جنگ چھڑ گئی آخر عشق بازی لے گیا اور آپ نے بکمالِ ادب عرض کیا:

مَا أَنَا بِالَّذِي أَمْحَاهُ ”سرکار! میں اس لفظ کو نہیں مٹا سکتا۔“

حضرت علی عشق کے ہاتھوں مجبور تھے۔ دلوں کے حال جاننے والے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے علی کی کیفیت پوشیدہ نہ تھی اس لیے آپ نے حضرت علی کے عشق کو عزت بخشتے ہوئے خود ہی اس لفظ کو مٹا دیا:

فَمَحَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ

”آخر رسول اللہ ﷺ نے اس لفظ کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:4629)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بابِ علم

نبیِ رحمت ﷺ کی بارگاہ سے ہر صحابی کو ایک منفرد مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔ سیدنا علی اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ثابت ہوئے کہ آپ کو ”أنا مدينة العلم، وعلي بابها“ کا مقام رفیع عطا ہوا۔ یمن کی قضا سونپتے وقت آپ نے حضرت علی کے سینے پر ہاتھ رکھ یہ دعا فرمائی:

اللّٰهم اهدِ قَلبَه، وَثَبّت لِسانَه، فَوالّذِي فلق الحَبّة مَا شَككت فِي القَضَاء بَينَ اثنَين

"اے اللہ! اس کے دل کو روشن فرمادے۔ اور زبان کو تاثیر عطا فرما۔ حضرت علی فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے حکم سے بیجوں سے درخت پیدا ہوتے ہیں، اس دعا کے بعد مجھے کسی فیصلے میں کوئی شک یا تردد نہیں ہوا۔ بغیر کسی شک وشبہ کے میں نے ہر مقدمے میں درست فیصلہ دیا۔"

دُلہن بن کے نِکلی دُعائے مُحَمَّد ؎ اِجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا

دعائے محمدی کا اثر ہی تھا کہ اصحابِ رسول میں حضرت علی کی علمی رفعتوں کے چرچے ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كُنّا نَتحدث أن أقضى أهل المدينة عَلِي

"ہم لوگ آپس میں چرچا کرتے تھے کہ سارے مدینے میں حضرت علی سب سے زیادہ علم والے ہیں۔"

(تاریخ الخلفاء للسیوطی، صفحہ 137)

مُرادِ رسول سیدنا عمر فاروق اعظم فرماتے تھے:

عَلِي أَقضَانَا "حضرت علی ہم سب میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔"

صحابیٔ رسول حضرت سعید ابن مسیب فرماتے تھے:

لَم يَكُن أَحَد مِّنَ الصّحَابَة يَقول: سَلُونِي إلّا عَلِي

"حضور سید عالم ﷺ کے صحابہ میں سوائے حضرت علی کے کوئی نہیں تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔" (ایضاً، ص:137)

سیدنا ابو طفیل کی روایت ہے، سیدنا علی المرتضٰی فرماتے ہیں:

سَلُونِي عَن كِتَابِ اللهِ ، فَوَاللهِ مَا مِنْ آيَةٍ إِلاَّ وَأَنَا أَعْلَمُ أَبِلَيل نُزِلَت أَم بِنَهَارٍ، أَم فِي سَهلٍ أم فِي جَبَلٍ

"مجھ سے قرآن کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو، میں تمام قرآنی آیات کے بارے میں جانتا ہوں کہ کون سی آیت دن میں نازل ہوئی اور کون سی آیت رات میں۔ کون سی آیت عام جگہ نازل ہوئی اور کون سی آیت پہاڑ میں نازل ہوئی۔" (تاریخ دمشق، 42/398)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ حالانکہ آپ انکاری تھے مگر اہلِ مدینہ کے مسلسل اصرار پر آپ کو منصبِ خلافت سنبھالنا پڑا۔ حضرت علی کی شجاعت و بہادری، زہد و تقوی، صبر و قناعت اور علم و فضل سے امید تھی کہ مسلمان عروج وارتقا کی ایک نئی داستان لکھیں گے۔ جس طرح آپ کے پیش رو خلفائے ثلاثہ کو پر سکون اور سازگار حالات ملے تو انہیں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے اسلامی مملکت کو خوب وسیع کیا مگر اب حالات بالکل بدل چکے تھے۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کا ماحول بنا ہوا تھا۔ خاندانی رقابت سر اٹھا رہی تھی۔ ایسے ماحول میں منصب خلافت کانٹوں بھرا تاج تھا۔ ملت اسلامیہ ایک خطرناک موڑ پر کھڑی تھی۔ حضرت علی کے کاندھوں پر بڑی ذمہ داری آن پڑی تھی۔ کاش حضرت علی کو سکون کے چند لمحات ملے ہوتے تو تاریخ کچھ اور ہی ہوتی! ؎ مگر مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ

ذوالحج 35ھ میں آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ منصبِ خلافت سنبھالتے ہی آزمائشوں کا دور شروع ہو گیا۔ پہلے جنگِ جمل (36ھ) اس کے بعد جنگِ صفین (37ھ) اور پھر جنگِ نہروان (38ھ) نے آپ کو کسی طور چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین تو نہایت تکلیف دہ جنگیں تھیں جن میں دونوں طرف اجلۂ صحابہ کرام موجود تھے۔ جو تلواریں کبھی کفر و شرک کے خلاف چمکتی تھیں آج وہی تلواریں ایک دوسرے کے خون میں ڈوبی ہوئی

تھیں۔ایک دوسرے کے سگے ماں جائے رشتے دار ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ان جنگوں نے مسلمانوں کی عسکری طاقت کو ہی کمزور نہیں کیا بلکہ اس رشتۂ اخوت پر بھی ضرب لگائی جو رسولِ ہاشمی ﷺ نے باندھا تھا۔ان جنگوں کے زخم سوکھنے نہ پائے تھے کہ مقامِ نہروان پر خوارج سے جنگ لڑنا پڑی۔بڑے سے بڑا بہادر سپہ سالار بھی ان اعصاب شکن جنگوں سے ٹوٹ گیا ہوتا مگر قدرت نے شاید مولیٰ علی کو اسی موقع کے لیے ہی چُنا تھا۔آپ نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ ناموافق حالات کا مقابلہ کیا۔اپنے پیارے ساتھیوں کی تلواروں کا سامنا بھی کیا۔مگر کمال ضبط کے ساتھ حالات کو سازگار بنانے میں جٹے رہے۔اس زمانہ آزمائش میں وہ لمحہ انتہائی تکلیف دہ تھا جب حالات کی سختیوں سے تنگ آکر آپ کو مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کرنا پڑا۔اس وقت سیدنا علی المرتضیٰ کے دل پر کیا گزری ہو گی، وہی جانتے ہیں۔

جس ذات نے غزوۂ تبوک کے سوا کبھی حضور ﷺ سے جدائی اختیار نہ فرمائی۔آج اُسے مدینے سے جانے پر مجبور ہونا پڑا۔غم واندوہ اور آزمائشوں کا یہ دور تقریباً چار سال نو ماہ چلا یہاں تک کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

17 رمضان المبارک 40ھ کو اپنے شہزادے امام حسن سے فرمایا:

رأيت الليلة رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله، ما لقيت من أمتك من الأود واللدد ،فقال لي: ادع الله عليهم، فقلت: اللهم أبدلني بهم خيرا لي منهم وأبدلهم شرا لهم مني

"رات میں نے خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت اور آپ سے امت کی شکایت کی کہ آپ کی امت نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔سخت جھگڑا برپا کر دیا ہے۔حضور نے جواب دیا کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔لہٰذا میں نے دعا کی: اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور ان لوگوں پر مجھ سے بدتر حاکم مسلط فرما دے۔" (تاریخ الخلفاء للسیوطی، صفحہ 140، 141)

ابھی آپ خواب بیان فرما ہی رہے تھے کہ اذان کی آواز آئی۔ آپ نماز پڑھانے کے لیے گھر سے مسجد کی جانب نکلے۔ مسجد میں چھپے ہوئے ابن ملجم خارجی نے زہر بجھی تلوار سے آپ پر ایک کاری وار کیا۔ دنیا کے بہادروں کو دھول چٹانے والے شیر خدا زخمی ہو کر زمین پر گرے۔ اسی زخم سے لڑتے ہوئے 21 رمضان المبارک کو اہلِ دنیا کی بے وفائی سے تنگ آکر اپنے پیارے آقا ﷺ اور اپنے عزیز دوستوں رضی اللہ عنہم کے ساتھ جا ملے۔

شیر شمشیر زَن شاہِ خَیبر شِکَن ۔۔۔ پَرتَوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

کسی معظم دینی شے کی تصویر بنانا

امام اہل سنت فرماتے ہیں:

غیر جاندار کی تصویر بنانی اگرچہ جائز ہے مگر دینی معظم چیز مثل مسجد جامع وغیرہ کی تصویروں میں انہیں توڑنا اور کھانا خلاف ادب ہوگا اور وہی بری نسبت بھی لازم آئے گی کہ فلاں شخص نے مسجد توڑی، مسجد کو کھالیا۔

(فتاوی رضویہ 24/560)

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ، گنبد خضراء و دیگر معظم دینی اشیاء کی تصویروں سے اجتناب کرنا چاہئے نیز کھانے پینے کی اشیاء مثلاً کیک پر قابل تعظیم اسماء لکھنے سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

اللہ تعالی ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

(ترسیل: مولانا ابو الحسن محمد شعیب خان)

حق الیقین ترجمہ النور المبین[2]

(✍ مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری-قسط پنجم)

ان میں وہ بھی ہیں جو آپ ﷺ کی امت کے صلحا سے کرامات، اجابتِ دعوات، اور خوارق عادات وغیرہ ظاہر ہوئیں، کیونکہ یہ سب ان کے نبی کے صدق پر دلالت کرتی ہیں، اور ان کی کرامت اللہ کی جانب سے ہیں۔ (قسط چہارم سے پیوستہ)

مسئلہ: یہود کے رد کے بارے میں

یہود اپنی حسد اور حق سے جان بوجھ کر انکار کی وجہ سے ہمارے نبیٔ کریم محمد مصطفی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ جب آپ ﷺ کے معجزات سے آپ ﷺ کے صدق پر دلیل قائم ہوگئی تو انہوں نے انکارِ نسخ کا سہارا لیا اور کہا: موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا منسوخ ہونا صحیح نہیں ہے، کیونکہ نسخ سے "بَداء" لازم آتا ہے اور بداء اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں۔

اُن کا رد سات وجہوں سے ہے:

وجہِ اول: نسخ سے بَداء لازم نہیں آتا، کیونکہ نسخ کی مثال ایسے ہے جیسے کہ کوئی آقا اپنے غلام کو کسی کام کا حکم دے، جب وہ کام پورا ہو جائے تو آقا اُسے دوسرے کام کا حکم دیدے، اور اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ اللہ عزوجل

([2]) النور المبین فی قواعد عقائد الدین علمِ کلام و اصولِ عقائد پر مشتمل امام ابو القاسم محمد بن احمد جُزَی الکلبی الغرناطی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) کی بہت عمدہ تالیف ہے، یہ کتاب ۲۰۱۵ میں دارالامام ابن عرفہ-تونس اور المرکز العربی للکتاب-متحدہ عرب امارات کی مشارکت سے شائع ہوچکی ہے جس کا اردو ترجمہ فاضل محترم مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری حفظہ اللہ نے قلمبند فرمایا ہے۔ نفحاتِ حرم اِسے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

اپنے بندوں کو ایک شریعت سے دوسری شریعت کی جانب منتقل کر دے، جیسا کہ وہ لوگوں کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل فرماتا ہے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ انسان نطفہ تھا، پھر وہ مختلف احوال میں تبدیل ہوتا رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (۱۲) ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (۱۳) ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً –إلى قوله تعالى– **ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (۱۶)** (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۶)

ترجمہ: تحقیق ہم نے انسان کو کھنکارتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس نطفہ کو رحم میں ٹھہرا۔ا، پھر اپنے اس نطفے کو خون بنایا پھر خون سے گوشت کالوتھرا بنایا– إلى قوله تعالى – پھر بے شک تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

اِسی طرح نباتات کے احوال ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا (الزمر: ۲۱)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین میں چشمے بنائے پھر اس سے کھیتی نکالتا ہے کئی رنگت کی، پھر سوکھ جاتی ہے تو تُو دیکھے کہ وہ پیلی پڑ گئی پھر اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

اِسی طرح دن اور رات کا اختلاف ہونا اور دن کا رات کو منسوخ کرنا اور رات کا دن کو منسوخ کرنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہیں۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الزمر: ۲۱) ترجمہ: اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے جو چاہے اور ثابت رکھتا ہے۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (الأنبياء: ۲۳) ترجمہ: اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہوگا۔

وجہ ثانی: یہود کی شریعت اپنے سے پچھلی شریعتوں کی ناسخ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں بہنوں سے نکاح ضرورتِ نسل کی بنا پر جائز تھا، پھر اس کے بعد حرام کر دیا گیا، اور یہ ہفتہ کے دن کا التزام کرتے ہیں جو کہ ان سے قبل کسی نے نہیں کیا، لہٰذا جس طرح یہ جائز ہے کہ یہود کی شریعت پچھلی شریعتوں کو منسوخ کرے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ان کی شریعت بھی منسوخ ہو۔

وجہ ثالث: موسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی رسالت کی خبر دی تو یہود پر آپ ﷺ کی تصدیق لازم ہے، اور یہود آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ سے متعلق خبریں دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرة: ٨٩)

ترجمہ: اور وہ اس سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے۔

اس بات کا اعتراف ان میں سے کثیر لوگ کر چکے ہیں، چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اسلام لے آئے جیسے عبد اللہ بن سلام، کعب احبار وغیرہما (رضی اللہ عنہم) اور ان میں بعض جو ازلی شقی تھے اُنہیں اُن کے حسد نے اسلام لانے سے روک دیا۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (الأنعام: ١١٤)

ترجمہ: اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی جانتے ہیں کہ ان کے رب کی جانب سے حق نازل کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات پر اُن کی توبیخ فرمائی کہ وہ جاننے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (٧٠) يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (٧١) (آل عمران: ٧٠، ٧١)

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم گواہی دیتے ہو۔ اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل سے چھپاتے ہو اور تم حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وجہ رابع: ملتِ اسلام موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اور محمد ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا تقاضہ کرتی ہے، اور قرآن تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے، جبکہ ملتِ یہود بعض نبیوں پر ایمان لانے کی مقتضیٰ ہے، کیونکہ وہ حضرت عیسی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہما کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے بہت سے انبیا کو قتل کیا اور بہت سوں کا انکار کرتے ہیں۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام انبیا پر ایمان لانا، بعض پر ایمان لانا اور بعض کی تکذیب کرنے سے بہتر ہے اور یہی اللہ تعالی کے فرمان میں مراد ہے۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرة: ١٣٦)

ترجمہ: کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اُس نے ہماری جانب نازل فرمایا اور جو نازل فرمایا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ لائے اور جو تمام انبیا لائے اپنے رب کی جانب سے، ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم مسلمین سے ہیں۔

وجہ خامس: یہود، نصاری اور عرب کے اصحابِ ملت ابراہیم علیہ السلام کی تعظیم پر متفق ہیں، اور دینِ اسلام، دین ابراہیم ہی ہے، چنانچہ اُن سب پر اسلام کی اتباع واجب ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج: ٧٨) ترجمہ: تمہارے باپ ابراہیم کی ملت۔

اور ارشاد فرمایا: يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ —إلى قوله تعالى— مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (٦٧)

(آل عمران: ٦٥ تا ٦٧)

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں—إلى قوله تعالی- ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

وجۂ سادس: یہود و نصاریٰ میں سے اہلِ کتاب اپنے دین میں تحریف کر چکے اور اس کو بدل دیا اور اس میں ان کا اختلاف ہے، اور انہوں نے اللہ کی کتاب میں کمی وزیادتی کی، انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا، اُن کو جھٹلایا، اللہ کے ساتھ اُس کے غیر کی عبادت کی اور اللہ کی جانب ایسی باتیں منسوب کیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں، اللہ کی نافرمانی میں افراط کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور ان کو بندر اور خنازیر بنادیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ ﷺ ان کے اختلاف کو ظاہر فرمادیں، اور انہیں اس حق کی جانب لے آئیں جس میں انہوں نے تغیر کیا، اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی جانب لے آئیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (النمل: ٧٦)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے وہ قصے بیان کرتا ہے جن میں ان کے اکثر اختلاف کرتے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدة: ١٥)

ترجمہ: اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تمہارے لئے بہت سی ایسی چیزیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

جو وجہیں ذکر کی گئیں ہیں اِن وجھوں یا ان میں سے اکثر سے نصاری کا رد بھی ہوتا ہے۔

وجہ سابع: اگر ان کیلئے آخرت میں کوئی سعادت ہوتی تو وہ ضرور موت کی تمنا کرتے تاکہ ان کو وہ سعادت مل جائے، لیکن انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور نہ ہی کبھی کریں گے، چنانچہ یہ ان کے قول کے بطلان پر دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۶﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا (الجمعة: ٦، ٧)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمادیجئے کہ اے یہود اگر تم گمان کرتے ہو کہ تم دوسرے لوگوں کے علاوہ اللہ کے پسندیدہ ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو، اور کبھی یہ موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ضرور وہ مر جاتے، اور بعض اہل علم نے فرمایا: یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ تھا جو آپ کی پوری حیات قائم رہا۔

اور جان لیجئے کہ یہودیوں میں سے بعض محمد ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ کہ "آپ ﷺ خاص طور پر عرب کی جانب مبعوث ہوئے"، ان کا یہ قول متناقض ہے؛ کیونکہ جب انہوں نے آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کر لیا تو اُن پر ان تمام باتوں میں آپ ﷺ کی تصدیق لازم ہو گئی جن کی آپ ﷺ نے خبر دی، اور نبی کریم ﷺ نے اس بات کی خبر دی کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کی جانب مبعوث ہوئے، چنانچہ یہود پر اس بات کی تصدیق کرنا بھی واجب ہے۔

یہود میں سے بعض نے آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا کیونکہ آپ ﷺ عربی تھے اور بنی اسرائیل سے نہیں تھے، یہ ایک واضح جہالت ہے اور اس کا بُطلان چند وجوہ سے ہے:

(الف) اللہ تعالیٰ جس امت سے چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت کیلئے چن لیتا ہے، ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الأنعام: ١٢٤) ترجمہ: اللہ جانتا ہے کہ کس کو اپنا رسول بنائے۔

اور نبوت اللہ کی رحمت ہے، اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے، ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (البقرة: ١٠٥) ترجمہ: اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

(ب) عرب قوم کی جانب بھی انبیائے کرام مبعوث ہوئے ہیں، جیسے ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام۔

(ج) نبی کریم ﷺ کا عربی امی ہونا آپ ﷺ کے سچے ہونے اور اپنے معجزات میں ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ حکمت اور علوم کے ساتھ آئے حالانکہ آپ ﷺ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی آپ ﷺ کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

الفصل الثالث:

جان لیجئے کہ ملائکہ اللہ کے بندوں میں سے اس کے مکرم بندے ہیں جو اللہ کی عبادت، اس کی تسبیح اور اس کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اُن کی تعریف بیان فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (٢٦) —إلى قوله تعالى– وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الأنبياء: ٢٦ تا ٢٨)

ترجمہ: بلکہ وہ اس کے مکرم بندے ہیں —إلى قوله تعالى– اور وہ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہیں۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (١٩) يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (٢٠) (الأنبياء: ١٩، ٢٠)

ترجمہ: اور جو اس کے پاس فرشتے ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں، وہ رات دن اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

ان میں سے کوئی انبیائے کرام کی جانب پیغام پہنچانے پر مقرر ہے، کوئی روح قبض کرنے پر مقرر ہے، اور ان میں سے بعض انسانوں کی حفاظت پر مقرر ہیں، بعض دوسرے کاموں پر، ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ملائکہ پر ایمان واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (النساء: ١٣٦)

ترجمہ: اور جس نے کفر کیا اللہ کے ساتھ، اس کے ملائکہ کے ساتھ، اس کی کتب کے ساتھ، اس کے رسولوں کے ساتھ، اور قیامت کے دن کا، تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے حدیثِ جبریل میں ایمان کو ذکر کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتب پر، اس کے رسل پر اور یوم آخرت پر، اور ایمان لاؤ ہر اچھی، بری تقدیر پر۔" (مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام الخ)

الفصل الرابع:

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سب کے سب ائمہ عادل تھے، ان میں سے ہر ایک نے اپنی خلافت مکمل کی اور وہ اس کے اہل تھے۔

اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ یہ چاروں خلفا انبیائے کرام کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں، اور افضیلت میں ان کے درجات کی ترتیب، ترتیبِ خلافت کی طرح ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق کی امامت پر دلیل رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی تقدیم پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور رسول اللہ ﷺ ان کی خلافت کی جانب اشارہ فرما چکے تھے جیسا کہ حدیثِ صحیح میں جبیر بن مطعم سے ایک عورت کے بارے میں روایت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس آ جانا۔" (بخاري: كتاب المناقب، باب قول النبي لو كنت متخذا خليلا)

اور حدیثِ عائشہ میں بھی آپ ﷺ کا فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ اور مسلمان ابو بکر کے علاوہ سب کا انکار کر دیں گے۔" (بخاري: كتاب المرضى، باب قول المريض: إني وجع)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا، اور مسلمانوں کا اُن کی خلافت پر اجماع ہو گیا، اور نبی کریم ﷺ نے حدیثِ صحیح میں ان کی خلافت کی جانب اشارہ فرمایا جو کہ ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، اور امام ترمذی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے اس کی تخریج کی، حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتدا کرو۔" (ترمذي: كتاب المناقب، باب في مناقب أبي بكر و عمر)

عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل شوریٰ نے خلیفہ بنایا جس شوری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منتخب کیا تھا، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو گیا تھا، پھر باغیوں کے گروہ نے ان کا گھیر اؤ کر کے انہیں ظلماً شہید کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو ان کی مدد کیلئے بھیجا تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عثمان کیلئے فرمایا "قتل کیا جائیگا اُس (فتنہ) میں یہ مظلوم" (ترمذي: كتاب المناقب، باب في مناقب عثمان بن عفان)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ ان میں خلال شریفہ اور فضائل منیفہ جمع تھے جس کی وجہ سے وہ امامت کے مستحق تھے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ سے اُن کی قرابت، آپ ﷺ سے سسرالی رشتہ، قبولِ اسلام کی جانب اُن کی سبقت، اُن کا علم، اُن کی شجاعت اور اُن کا زہد وغیرہ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا، اور مسلمان اپنے امر و نہی میں آپ رضی اللہ عنہ کے تحت داخل ہو گئے، اور مخالفت کرنے والوں نے چند امور میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی، بہر حال جو معرکہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان ہوا، اس معرکہ میں جو صحابی ان دونوں میں سے کسی کے بھی ساتھ تھے ان کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں آئی، اگر روایت صحیح بھی ہو تب بھی اس اختلافی معاملے سے سکوت کرنا چاہئے اور اس کے ذکر سے گریز کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اُن سے اچھے اقوال و مذاہب کو چُنا جائے، اُن میں سے ہر ایک کا ذکر احسن انداز میں کیا جائے، ہر ایک گروہ سے اچھا گمان رکھا جائے اور اس بات کا اعتقاد رکھا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔

یہ بات جان لیجئے کہ نبی کریم ﷺ کے تمام اہلِ بیت اور تمام صحابہ فضیلت والے نیکوکار تھے، اُن کی فضیلت کی گواہی قرآن کریم نے دی اور نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ بھی اس بارے میں وارد ہیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الأحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے گندگی دور کرنے اور تمہیں پاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ (الفتح: ۲۹ إلى آخر السورة)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (التوبة: ۱۰۰)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

(جاری ہے)

آیئے۔۔اپنے وقت کا محاسبہ کریں

(✍ علامہ محمد رفیق مصباحی شیرانی)

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۵۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔
(الذاریات:55)

ہر انسان کی زندگی میں وقت بہت اہمیت کا حامل ہے، جس کی قدر و پابندی کرنے والا آدمی ہمیشہ خوش حال اور کامیاب رہتا ہے، سکھ وچین کے لمحات وپل اس کے گرد طواف کرتے نظر آتے ہیں۔

اس کے لمحات واوقات کے بارے میں ہمیشہ حکمانے کہا ہے کہ یہ تلوار کی مانند ہے اگر تم نے اسے نہیں کاٹا تو یہ تمہیں کاٹ کر رکھ دے گا، یہ بھی کہا:

قتل الوقت قتل الحیاة. یعنی وقت کا قتل (برباد) کرنا زندگی کا خون کرنا ہے۔

مگر ایک طالبِ علم کی زندگی میں اس کی اہمیت کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتی ہے بلکہ اس کی کامیابی کی کنجی ہی وقت کا صحیح استعمال کرنا ہے، اگر وہ اپنے تھوڑے سے وقت کی بھی قدر کرنا سیکھ گیا تو اس کے حیرت انگیز نتائج سامنے آئیں گے، جیسا کہ احمد امین نے کہا ہے:

قلیل من الزمن یخصص کل یوم لشئ معین یغیر مجری الحیاة ویجعلھا أفضل ممانظن وارقی ممانتخیل. یعنی تھوڑا سا وقت جو روزانہ کسی معین چیز کے لیے خاص کر لیا جائے تو یہ ہماری زندگی میں اتنا حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دے گا جو وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہے۔

علی طنطاوی نے بڑی پتے کی بات کہی ہے، جس پر ہر طالب علم کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے وہ کہتے ہیں کہ،

''اگر طالب علم ہفتہ میں ایک دن حضورِ ذہنی اور دلجمعی کے ساتھ منہمک و مشغول ہو کر پڑھ لے، جس طرح امتحان کی شب میں مطالعہ کرتا ہے تب بھی وہ علامہ بن سکتا ہے''

مگر افسوس! کہ ہفتہ میں تو کیا مہینے میں بھی وہ دن نہیں آتا۔

آپ کامیاب لوگوں کی زندگی کا جائزہ لیجیے سب میں ایک چیز مشترک نظر آئے گی وہ ہے وقت کی پابندی۔ اگر مُعلم، متعلم، امام، مؤذن، مقتدی، تاجر، ملازم، معمار، مزدور، ماسٹر، ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ اپنے وقت کا محاسبہ کرنے لگ جائے کہ اس کا دن، ہفتہ، مہینہ، چھ مہینے، سال کس چیز میں گزرا؟ کتنا علمی اضافہ ہوا؟ تحریر و تقریر میں کتنا نکھار آیا؟ حدیث و تفسیر، فقہ و ادب، تاریخ و سیرت کا مطالعہ کس قدر ہوا ہے؟ پہلے کے مقابلے میں نیا کیا اور کتنا سیکھا ہے؟ طاعتِ الٰہی میں کتنا وقت صرف ہوا اور معصیت میں کتنا ضائع کیا؟ اس طرح اگر وہ خود احتسابی کی عادت بنا لے کہ اس نے اپنے فرصت کے اوقات میں کیا کیا؟ تو یہ یقیناً کسی بھی بے حس و مردہ ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہو گا، بلکہ ہر طالب علم کو ہفتہ، مہینے، تین مہینے میں ایک ''یوم حساب'' کے نام سے دن مقرر کرنا چاہیے جس میں بیٹھ کر سنجیدگی سے اپنے بیتے ایام اور گزرے اوقات کا محاسبہ کر کے ایک کامیاب زندگی کا آغاز کرے، اگر یہی سوچ اور عادت سب کی بن جائے تو ہر صغیر و کبیر کا جمود و تعطل ختم ہو سکتا ہے ورنہ تو اس امت کا اللہ ہی محافظ و نگہبان ہے۔

جبکہ مشاہدہ تو یہ بتاتا ہے کہ وقت کا محاسبہ کرنا تو دور کی بات، ہم نے خود اپنی بربادی کا سامان پیدا کر لیا ہے، یعنی ٹائم پاسنگ اور وقت گزاری کے ذرائع بلفظ دیگر وقت کا خون کرنے کے لیے، بیٹھکیں، بزمیں، مجلسیں سجا رکھی ہیں، جہاں دیر رات تک بیٹھ کر خوب گپ شپ، جھوٹ، چغلی، غیبت، ٹھٹھا و قہقہ، اَخلاق سوز باتوں سے مجلسیں گرم رہتی ہیں۔

جبکہ رات کو آرام و سکون کے لیے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

جَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا یعنی اُس نے رات چین وسکون کے لیے بنائی۔ (الانعام:96)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَّ جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِبَاسًا ۙ یعنی اور رات کو پردہ پوش کیا۔ (النبا:10)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ لباس سے مراد سکون ہے اب معنی ہو جائے گا کہ ہم نے رات کو سکون کے لیے بنایا۔

علاوہ ازیں دیر رات تک شب بیداری کر کے ہم اپنے رب، اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کی حقوق تلفیوں میں گرفتار ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوجحیفہ سے مروی ہے:

ان لربك عليك حقاوان لنفسك عليك حقا و لأهلك عليك حقا فاعط كل ذي حق حقه.

یعنی تجھ پر تیرے رب، نفس اور اہل وعیال کا حق ہے، لہذا ہر حق دار کا حق ادا کرو۔

(بخاری شریف، کتاب الادب، باب التکلف فی صنع الطعام للضیف، ج:2، ص:906)

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا

ترجمہ کنز الایمان: یہ نصیحت ہے، جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔ (الدھر:29)

اور دنیاوی نقصان تو جگ ظاہر ہے کہ جب ہماری ننھی کلیاں (چھوٹے بچے) بڑوں کے اس طرح کے حالات دیکھیں گے تو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائیں گے، یعنی وہ بچے جو کسی مدرسہ، اسکول، کالج، یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں، وہ جب اپنے گردو پیش میں لذیذ و پر لطف مجالس، مذاق و مستی کا شور و ہنگامہ برپا ہوتا دیکھیں گے تو کیا ایسی حالت میں وہ سیلف اسٹڈی کریں گے، یا کوئی بھی گارزن انہیں مطالعہ کرنے کی تاکید کر سکتا ہے جو خود دیر رات تک بیٹھ کر اپنا قیمتی سرمایہ (وقت) ضائع کرتا ہے۔ گویا خود لاشعوری طور پر اپنے بچوں کا مستقبل تاریک کر رہے

ہیں، ویسے بھی ہماری تعلیمی، اقتصادی پسماندگی کے ہر طبقے میں چرچے ہیں بچی کھچی کسر ان بیٹھکوں، کلبوں، بزموں سے پوری ہو گئی۔

جبکہ احادیث کریمہ میں بعد عشا قصہ گوئی وغیرہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے دیکھیے:

ترمذی شریف، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ النوم قبل العشاء والسمر بعدھا، ج:01، ص:42

فرمانِ رب العزت ہے:

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَايَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

ترجمہ کنز الایمان: کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا۔ (فاطر:37)

آج ہر کوئی اپنا قیمتی وقت اور زندگی کا عظیم سرمایہ، فضولیات میں گنوا رہا ہے، بوڑھا، بچہ، جوان، مرد، عورت، ہر کسی کے ہاتھ میں انڈروائیڈ اور اسمارٹ فون ہے، کوئی گیمس میں مصروف ہے تو کوئی فلم بینی میں، کوئی کھیل تماشوں میں مگن ہے تو کوئی عریاں وفحش مناظر و سیریل دیکھنے میں مستغرق۔

یاد رکھیے! ہمارا ایک ایک پل و لمحہ ریکارڈ ہو رہا ہے، جو بھی وقت گزر رہا ہے اور اس کے اندر ہم نے جو بھی کیا ہے یا نہ کیا ہے اس کے بارے میں ہم سے حساب لیا جائے گا-اس وقت ہمارے پاس کیا جواب ہو گا؟؟؟

آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن أربع خصال، عن عمره فيما افناه و عن شبابه فيما أبلاه و عن ماله من أين اكتسبه و فيما أنفقه و عن علم ماذا عمل فيه.

یعنی بروز قیامت کسی بھی بندے کا قدم اپنی جگہ سے اُس وقت تک نہیں ہٹ سکتا جب تک کہ چار خصلتوں کے بارے میں اس سے نہ پوچھ لیا جائے اور ان کا حساب نہ لے لیا جائے: (1) عمر کے بارے میں کہ اسے کہاں

گنوایا، (2) جوانی کے بارے میں کہ اسے کہاں بوسیدہ کیا، (3) مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا (4) علم کے بارے میں کہ اس پر کس حد تک عمل کیا۔

(جامع الترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب فی شان الحساب والقصاص ج:2، ص:67)

ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے کیا ہم ان چیزوں کا حساب دینے کے لائق ہیں؟

ذکرِ الٰہی سے خالی مجلس پر افسوس

زندگی کا ایک ایک لمحہ اس قدر قیمتی ہے کہ اہل جنت کو جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی ان بے فائدہ بِیتے لمحات پر حسرت و افسوس ہو گا۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

ما قعد قوم مقعدا لا يذكرون الله عزوجل و لا يصلون على النبي (صلى الله عليه وسلم) الا كن عليهم حسرة يوم القيامة و إن دخلوا الجنة للثواب.

جو لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں نہ وہ اللہ کا ذکر کرے اور نہ آقا علیہ السلام پر درود و سلام کے گلدستے پیش کرے تو وہ مجلس ثواب کی کمی کی وجہ سے بروزِ قیامت ان کے لیے حسرت و افسوس کا سبب بنے گی، اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 10225، کنز العمال، کتاب السلام و فضائلہ، حق المجالس والجلوس حدیث نمبر 25454)

ٹال مٹول

ٹال مٹول کرنا اور آج کا کام کل پر ڈالنا وقت اور عمر کو برباد کرنے والی بلا ہے، ہر چیز یعنی لکھنے، پڑھنے، یا کوئی بھی کرنے میں ہماری یہی عادت بنی ہوئی ہے کہ "چھوڑو کل کر لیں گے"، "چلو کل پڑھ لیں گے"، "کل دیکھ لیں گے" سچ پوچھیں تو ہماری ناکامی و نامرادی کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہم ہر چیز کو کل پر ڈالتے رہتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کل ہماری زندگی میں کبھی نہیں آتا اور ناکام کے ناکام رہ جاتے ہیں۔ کاش! اپنے کاموں کو کل پر ڈالنے کے عادی

نہ ہوتے اور یہ ذہن بنالیتے کہ آج کا کام آج ہی کرنا ہے، تو یقیناً ہم کامیاب و کامران وبامراد ہوتے۔ اگر آپ اپنے مقصد کے حصول میں سنجیدہ ہیں تو جلی حروف (بڑے حروف) میں یہ تحریر لکھ کر دیوار پر آویزاں کیجیے "لا توجل عمل اليوم إلى غد" یعنی آج کا کام کل پر نہ ڈال۔ اگر اس پر عمل ہو گیا تو یوں سمجھ لو کہ کامیابی کا راز مل گیا بلکہ یہ ایک ایسے خزانے کی کنجی ہے، جس میں مال بھی ہے، علم بھی ہے، عزت بھی، شہرت بھی، خوشی بھی، کامیابی بھی اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔ آج ہر شخص کے پاس وقت ہے جتنا وقت ایک امیر کو ملتا ہے اتنا فقیر کو بھی مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمیں وقت کو صحیح طور پر استعمال کرنا نہیں آیا، اگر ہم یہ عزم کرلیں کہ وقت کو ضائع نہیں کریں گے، بیکار نہیں بیٹھیں گے، ایک ایک منٹ کی قدر کریں گے تو تنگیٔ وقت کے سارے گلے شکوے ہی ختم ہو جائیں۔ **فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ** ؟ ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟ (القمر:15)

ناقص مشورہ

چلتے چلتے ناچیز راقم الحروف (محمد رفیق مصباحی شیرانی) کا ناقص مشورہ بھی قبول فرمالیں، خاص طور پر طلبائے مدارس کے لیے مفید ہوگا، آج ایک طالب علم یومیہ کم سے کم دس روپے کھانے، پینے، چائے نوشی اور پان خوری وغیرہ میں خرچ کر دیتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تو ان کے لیے مشورہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک گلہ خرید کر اپنے پاس رکھ لیں (طلبا کی تخصیص نہیں کوئی بھی ایسا کر سکتا ہے) تو وہ دس روپے خرچ کرنے کے بجائے نو روپے خرچ کریں اور ایک روپیہ گلّے میں برائے تعلیم ڈالیں، اس طرح ایک ہفتہ میں آپ کے گلے میں آٹھ روپے ہو جائیں گے، جن سے آپ کوئی کتابچہ یا رسالہ خرید لیں، سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ دعوت اسلامی کا رسالہ خریدیں، ان کے ہر عنوان وموضوع پر اچھے اچھے رسالے دستیاب رہتے ہیں جو 6 / 7 روپے کی معمولی قیمت میں مل جاتے ہیں، آپ انہیں اپنے ساتھ رکھیں حتی کہ کلاس میں بھی جب بھی موقع ملے اس کا مطالعہ کرتے رہو اور ضرورتاً انڈر

لائن کرتے رہو، پھر آئندہ دوسرا رسالہ خرید لیں، اس طرح ایک ایک روپے جمع کرنے اور ہفتہ واری رسالہ خرید نے کے عادی بن جائیں، جس سے وقت کی قدر، وسعت مطالعہ، علمی ذخیرہ ہونے کے ساتھ بہت سے رسالے آپ کے پاس جمع ہو جائیں گے، جن کو آپ ایک ساتھ نہیں خرید سکتے اگر خرید بھی لیا تو پڑھ نہیں پائیں گے اور نہ ایک ساتھ پڑھنے کے لیے اتنا وقت ملے گا، کیونکہ آپ کی ہر اگلی گھڑی پچھلی گھڑی سے مصروف تر ہے تو پھر وقت کہاں؟ان ھذہ تذکرۃ.

نوٹ: یہ چند سطریں وقت کی اہمیت وضرورت پر لکھی گئیں، اگر کوئی باذوق اسی عنوان پر تفصیلی مضمون کا طالب ہو تو ناچیز کا تقریباً 30 / صفحات پر مشتمل مضمون لکھا ہوا ہے، اس کا مطالعہ کرے، جو اس سے بالکل مختلف ہے، جس میں اسلاف کرام کے پابندی وقت کے حوالے سے واقعات وحکایت تحریر کی گئی ہیں۔

لائبریری کی اہمیت وضرورت

(✍ مولانا محمد طفیل احمد مصباحی)

کتاب، مکتب اور مکتبہ، یہ تینوں چیزیں قوموں کی زندگی میں بڑی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہیں۔ ہر قسم کی ترقی کے دروازے انہیں کنجیوں سے کھُلا کرتے ہیں۔ یہ تینوں حصولِ علم و تعلیم کے بنیادی ذرائع ہیں۔ علم، نور ہے۔ علم، انسانیت کا زیور ہے۔ علم ہی سے جائز و ناجائز میں فرق کیا جاتا ہے۔ دین و دنیا کی ساری کامیابیاں اور بھلائیاں اسی علم پر موقوف ہیں۔ علم ہی سے دنیا کو سنوارا جاسکتا ہے اور علم ہی کی بدولت آخرت کی سعادتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ غرض کہ علم، ترقی کا ذریعہ، کامیابی کی کنجی اور دنیا کی حکومت و قیادت کا پہلا زینہ ہے۔ اگر ہمارے پاس علم ہے تو سب کچھ ہے اور اگر علم نہیں تو سمجھو کچھ بھی نہیں۔ آج کی اِس اختلاف بھری دنیا میں جدھر دیکھیے اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے۔ ہر گھر، ہر فرد اور ہر سماج میں اختلاف ہے۔ غرض کہ کوئی شعبۂ حیات ایسا نہیں جہاں اختلاف نہ ہو۔ لیکن دو چیزیں ایسی ہیں، جن کی حقیقت اور فضیلت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ ہیں:

(۱) موت، (۲) علم۔ یہاں تک کہ ایک ملحد اور جاہل بھی موت اور علم کی اہمیت کا قائل ہے۔

کتابوں سے دوستی، علم سے محبت اور لائبریری قائم کرکے اسے آباد رکھنے کی فکری و عملی کوشش، زندہ قوموں کی علامت ہے۔ ہند و پاک سمیت دنیا کے اکثر برّ اعظموں پر مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی ہے اور اپنے اقتدار کا پرچم لہرایا ہے، جس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ علم و تعلیم کے میدان میں مسلمانوں کی مضبوط گرفت ہے۔ مسلمان جب تک علم کے زیور سے آراستہ رہے، کتابوں کو اپنا دوست بنا کر مکتب اور مکتبہ سے اپنا علمی و روحانی رشتہ جوڑے رکھا، زندگی کے ہر میدان میں کامیاب رہے اور جیسے جیسے تعلیم سے دور اور درس و مطالعہ سے بیگانہ ہوتے گئے، اس پر ترقی کے دروازے بند ہوتے گئے۔

مذہبِ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو حصولِ علم پر بہت زور دیا ہے۔ بعض اہل علم نے تو یہاں تک کہا ہے کہ:
أطلبوا العلم من المهد إلى اللحد یعنی ماں کی آغوش سے لے کر قبر میں جانے تک علم حاصل کرتے رہو۔
علم ہی دینی و دنیاوی کامیابیوں کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اس لیے عمر کا لحاظ کیے بغیر ہمیں بچپن، جوانی اور بڑھاپے تک حصولِ علم میں کوشاں رہنا چاہیے۔

تعلیم اور کتب خانے ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں ۔ جہاں تعلیم کا انتظام ہو ، وہاں ایک اچھی سی لائبریری اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں پر مشتمل کتب خانہ کا ہونا بھی ضروری ہے ۔ کوئی بھی تعلیمی ادارہ ، لائبریری سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ تعلیمی اداروں میں نصابی ضرورت محض نصابی کتابوں سے پوری نہیں ہوتی۔ دیگر علمی و تحقیقی ضروریات کے لیے اضافی کتابوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ معاشی اور تعلیمی اعتبار سے معاشرتی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں بسنے والے افراد مُروَّجہ علوم اور زمانے کے تقاضوں سے آگاہ ہوں۔ عوام کی علمی سطح بلند، ہر طرف تعلیم کا چرچا ہو۔ تعلیمی اداروں میں کتب خانے اور لائبریریاں موجود ہوں۔ علم کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہمارے مدارس، مکاتب، اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ عوام کی رسائی ان تعلیم گاہوں تک بالعموم نہیں ہو پاتی۔ اس لیے ملک کے مختلف حصوں میں فلاحی تنظیموں کے ذریعے لائبریری کے قیام کا اہتمام کیا جائے۔ علم کا فروغ محض تعلیمی اداروں سے ہی ممکن نہیں۔ تعلیمی ترقی اور علم کے فروغ کا ایک مضبوط ذریعہ لائبریری ہے۔ اس لئے آج لائبریری کے قیام و استحکام پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ تعلیم کو عام کرنے کا جو راستہ تعلیمی اداروں سے نکلتا ہے، وہ کتب خانوں میں آکر مل جاتا ہے اور ان دونوں کے باہمی تعاون سے ہی ملک اور معاشرے میں علم کا اجالا پھیلتا ہے۔ لائبریریاں، علوم وفنون اور معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔ علم کے متوالوں کو یہاں ہر قسم کا علم بغیر کسی پابندی اور رکاوٹ کے مل جاتا ہے اور ہر شخص آسانی سے بقدرِ ظرف استفادہ کر سکتا ہے۔

دنیا کی کوئی بھی ترقی یافتہ قوم لائبریری سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ لائبریری کی اہمیت و افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ خاص طور سے تعلیمی و تدریسی زندگی میں تو لائبریری کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس کے بغیر تعلیمی سفر کو منزل سے ہم کنار نہیں کیا جا سکتا۔ "فن تعلیم و تربیت" ایک اہم اور مفید کتاب ہے جو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے درجہ فضیلت کے نصاب میں شامل ہے۔ میرے ناقص خیال کے مطابق والدین، اساتذہ اور مربّی حضرات کو اس کتاب کا بار بار یا کم از کم ایک بار گہرائی کے ساتھ ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ لائبریری کی اہمیت و ضرورت اور لائبریری میں مختلف علوم و فنون پر مشتمل کتب و رسائل کے حصول کے تعلق سے اس کتاب کا یہ پیراگراف ملاحظہ کریں:

"درسی کتابیں چاہے کتنی ہی میں معیاری اور مفید ہوں، بچوں کی معلومات میں وسعت، ذخیرہ الفاظ میں اضافہ، مطالعہ کی سکت، کتب بینی کا ذوق، خیالات کی بلندی، آدرش کی لگن، اظہارِ خیال پر قدرت، دوسروں کے خیالات و نظریات سمجھنے کی صلاحیت اور فرصت کے اوقات کے مناسب استعمال کے لیے مزید موزوں کتب اور اخبارات و رسائل وغیرہ کا مطالعہ ضروری ہے۔ خود اساتذہ کو بھی اپنی تدریسی صلاحیت بڑھانے، اپنی معلومات کو اپ ٹو ڈیٹ رکھنے، توضیح و تشریح میں مدد لینے اور حوالہ جات کے لیے کتب و رسائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ ظاہر ہے طلبہ اور اساتذہ کی ان ضروریات کی تکمیل کے لیے ہر مدرسے کی اپنی " لائبریری " ہونی چاہیے۔ لائبریری میں اساتذہ اور ہر عمر؛ ذوق اور صلاحیت کے بچوں کے لیے مفید اور ضروری کتب کا ذخیرہ ہونا چاہیے، جس میں سال بہ سال اپنی بساط کے مطابق نئی کتب کا اضافہ بھی ہوتا رہے۔ لائبریری کے ساتھ ایک " دارالمطالعہ " بھی ضروری ہے جس میں بچوں اور بڑوں کی دلچسپی کے لیے اچھے اخبارات و رسائل رکھے جائیں۔ اگر وسائل محدود ہو تو کتب و رسائل کی فراہمی میں پبلک سے تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو صاحبِ ذوق اخبارات و رسائل منگاتے ہیں یا کتابیں خریدتے ہیں، ان سے یہ چیزیں مدرسے کی لائبریری کے لیے عاریتاً لی جا سکتی ہیں یا ان میں سے جو چیزیں

پڑھنے کے بعد عموماً بے کار ہو جاتی ہیں اور وہ ادھر ادھر ڈال دیتے ہیں انہیں مدرسہ مستقلاً حاصل کر سکتا ہے۔ بعض گھروں میں پرانی کتب کا ذخیرہ پڑا پڑا دیمکوں کی نذر ہو جاتا ہے یا بچوں کی پڑھی ہوئی کتابیں ادھر ادھر بکھری پڑی رہتی ہیں تو مفت میں یا کم داموں پر انہیں مدرسے کی لائبریری کے لیے حاصل کر سکتے ہیں۔"

(فنِ تعلیم وتربیت، صفحہ 342-345)

جس طرح پاور پلانٹ اور بجلی ہاؤس سے ہر طرف بجلی سپلائی کی جاتی ہے، اسی طرح لائبریری "علم کا پاور ہاؤس" ہے، جہاں سے معاشرے کو علم کی روشنی فراہم ہوتی ہے اور مختلف علوم وفنون کی شعاعیں لوگوں کے ذہن ودماغ میں منتقل ہوتی ہیں۔ انسانی تہذیب کے ارتقا کی تاریخ کتاب اور لائبریری کے ذکر بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

کتاب، مکتب اور مکتبہ ہماری تعلیمی زندگی کے قیمتی سرمایہ ہیں۔ معلم کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی ہے، وہ لفظِ "اقرا" ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں تعلیم کو بڑی اہمیت وفضیلت حاصل ہے۔ کتابیں پڑھنے کے لیے مکتب ومدرسہ کی ضرورت ہے اور مکتب ومدرسہ، مکتبہ (کتب خانہ-لائبریری) کے بغیر ناقص اور ادھورا سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی علمی تاریخی اور مسلم حکمرانوں کے تمدنی کارناموں پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہر طرف "لائبریریوں" کا جھال بچھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کتابوں اور لائبریریوں سے انسان کا رشتہ بہت قدیم ہے۔ کتاب "مشرقی کتب خانے" کا یہ پیراگراف ملاحظہ کریں:

"کتب خانہ ایک ایسا ادارہ ہے جہاں کتابوں کی شکل میں انسانی خیالات، تجربات اور مشاہدات کی حفاظت کی جاتی ہے تاکہ ایک شخص کے خیالات سے نہ صرف اس کی نسل کے ہزاروں افراد بلکہ اس کے بعد آنے والی نسلوں کے افراد بھی استفادہ کر سکیں۔ کتب خانوں کا وجود یعنی کتابوں کو ایک خاص جگہ اس طرح محفوظ رکھنے کا انتظام کہ وہ محفوظ رہیں اور بوقت ضرورت بغیر کسی دشواری کے حاصل کی جا سکیں، کسی نہ کسی شکل میں قدیم ترین

زمانے سے ملتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی ہندوستان، ایران، یونان وغیرہ میں لائبریریاں قائم ہو چکی تھیں۔" (مشرقی کتب خانے، تقدیم، صفحہ 5)

یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"ہندوستان میں اگرچہ اس اسلامی فتوحات کا آغاز پہلی صدی ہجری سے ہوا لیکن اسلامی حکومت کی اصلی بنیاد سلطان محمود نے قائم کی جو ایک مذہبی اور علم دوست بادشاہ تھا اور اسی علم دوستی اور مذہب شیفتگی کا یہ اثر ہوا کہ جب وہ 490ھ کے بعد قنوج کو فتح کر کے غزنی واپس آیا تو ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی جس کے پہلو میں ایک مدرسہ اور اس مدرسہ میں ایک کتب خانہ قائم کیا۔۔۔" (مسلم سلاطین کے عہد میں ہندوستان کے تمدنی کارنامے، صفحہ 171)

اکبر اگرچہ معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا، لیکن علمی ذوق میں وہ اپنے اسلاف سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس نے محکمۂ تراجم بھی قائم کیا تھا جس کے ذریعے سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا اور مستقل تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا، جس میں تاریخ کے علاوہ ہر فن پر کتابیں لکھی گئیں۔ اکبر خود بھی کتابوں کا بڑا شوقین تھا۔ اس کو جب کوئی نئی کتاب مل جاتی تو اس کو ضرور کتاب دار سے منگوا کر سنتا اور ایک رات میں جہاں تک سنتا وہاں نشان لگا دیتا۔ دوسرے دن پھر اسی جگہ سے شروع کرواتا، یہاں تک کہ کتاب ختم ہو جاتی۔ اس کے پاس ایک بڑا عظیم الشان کتب خانہ تھا جو اپنے بزرگوں سے وراثت میں پایا تھا۔ اس کے علاوہ گجرات، جون پور، بہار، کشمیر، بنگالہ اور دکن کی فتوحات میں یہاں کے کتب خانوں سے جو کتابیں اس کو دستیاب ہوئیں، ان کی بڑی تعداد اس نے اپنے کتب خانہ میں داخل کی۔ اس طرح اکبر کا کتب خانہ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت خزانہ بن گیا۔
(مسلم سلاطین کے عہد میں ہندوستان کے تمدنی کارنامے، صفحہ 245-246، دار المصنفین، اعظم گڑھ)

مغل دور حکومت سے پہلے مختلف مسلم حکمرانوں کے دور میں بھی لائبریریوں کے قیام کا بڑا اہتمام تھا۔ اس دور کے مشہور علما و مشائخ اور سلاطین اچھی خاصی رقم خرچ کر کے کتب خانے تیار کرتے اور لوگوں کو مطالعہ کرنے کا

موقع فراہم کرتے۔ دہلی کے مشہور بزرگ حضرت نظام الدین اولیا بدایونی علیہ الرحمہ کی خانقاہ میں ایک بڑا کتب خانہ تھا۔ آپ کی خانقاہ دہلی (قدیم) کے محلہ غیاث پور میں تھی۔ ان کا کتب خانہ ہر ایک کے لیے وقف تھا اور ہر صاحب علم بلا امتیاز اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ (ایضاً، صفحہ 240)

افسوس کا مقام ہے کہ تعلیمی زندگی میں علم و مطالعہ اور لائبریری کی جتنی زیادہ اہمیت ہے، آج اتنی ہی ان چیزوں سے متعلق ہمارے اندر غفلت پائی جا رہی ہے۔ ہمارا تعلیمی نظام جمود و تعطل کا شکار ہے۔ ہمارا علمی ذوق دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ مطالعہ کے بجائے لہو و لعب اور فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے ہم عادی ہو چکے ہیں۔ ہمارے قیمتی اوقات موبائل اور انٹرنیٹ کی نذر ہو رہے ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے بجائے کام دھندہ اور مزدوری پر لگا رہے ہیں اور وقت سے پہلے اپنی اولاد کو دولت کمانے کے راستے پر ڈال رہے ہیں اور اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے بعد دولت خود بخود انسان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ تعلیمی زوال نے ہم سے ہمارا ذوقِ مطالعہ اور لائبریری کی اہمیت کا احساس چھین لیا ہے۔

آج جب کہ درس و مطالعہ سے دن بدن ہماری رغبت کم ہوتی جا رہی ہے، ایسے میں لائبریری کی طرف بھلا کون توجہ دیتا ہے۔ آج نہ ہم نئی لائبریریاں قائم کر رہے ہیں اور نہ پرانی لائبریریوں کی حفاظت کا کوئی انتظام کر رہے ہیں۔ نتیجہ نگاہوں کے سامنے ہیں کہ بہت ساری اہم اور قدیم لائبریریاں تباہ و برباد ہوتی جا رہی ہیں اور ہمارا بیش قیمت علمی سرمایہ کیڑوں مکوڑوں اور دیمکوں کی نذر ہوتا جا رہا ہے۔ تعلیمی ترقی حاصل کرنے کے لیے لائبریریوں کا قیام و استحکام نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ تحقیق و ریسرچ اور مختلف علوم و فنون سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے کا بنیادی ذریعہ یہی لائبریریز ہیں۔ انگریزی کی ایک کہاوت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

”اگر تمہارے اندر شک اور وھم کی بیماری پیدا ہو جائے تو یقین کی دولت حاصل کرنے کے لیے لائبریری کا رخ کرو۔“

عوامی فلاح و بہبود کے متعلق سب مسلمانوں کے اندر بے شمار تنظیمیں اور تحریکیں ہیں جو جو اپنے اپنے میدان میں مختلف اغراض و مقاصد کے تحت کام کر رہی ہیں۔ لیکن نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ ہمیں کوئی ایسی کوئی فلاحی تنظیم نظر نہیں آتی جو خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے میں تعلیمی فروغ کے لیے لائبریریاں قائم کرتی ہو یا قدیم لائبریریوں کو از سرِ نو زندہ کرتی ہو۔ ہمیں اپنے اس رویے میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ آج جتنے بھی تعلیمی ادارے ہیں ان کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ اپنے اداروں میں مختلف علوم و فنون اور نادر و نایاب کتب و رسائل پر مشتمل لائبریری قائم کرے۔ ہماری تعلیمی پسماندگی کے بہت سارے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے لائبریریوں کو آباد کرنا چھوڑ دیا ہے اور ان سے ہماری رغبت اور دلچسپی کم ہو گئی ہے۔

قوم و ملت کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ سماجی فلاح و بہبود سے متعلق وہ اپنے ترقیاتی منصوبوں میں لائبریریوں کے قیام کو بھی شامل کریں اور ہماری وہ قدیم لائبریریاں جو آج دیمک کی نذر ہو رہی ہیں، ان کی حفاظت کا انتظام کریں۔ شہروں اور دیہاتوں کو لائبریری سے زینت بخشیں۔ بڑی لائبریری نہ سہی، چھوٹی لائبریری سے ہی اپنے گھر اور محلوں کو سجائیں۔ گھر کے کسی ایک حصے کو لائبریری کے لیے خاص کر دیں۔ اس کے لیے ایک دو الماری کا انتظام کریں۔ اچھی اچھی کتابیں، میگزین، رسالے ماہنامے اور اخبارات منگائے جائیں۔ اپنے بزرگوں کے نام پر لائبریری کے نام رکھیں۔ اسی طرح سماجی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے والی تنظیموں سے گذارش ہے کہ وہ مسجد، مدرسہ، مکتب یا پھر گاؤں میں کسی جگہ لائبریری ہال یا لائبریری روم کا بندوبست کریں اور وہاں لائبریری کے قیام کو یقینی بنائیں۔ بچے، بوڑھے، جوان سب لائبریری سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو گا۔ ہماری آنے والی نسل مطالعۂ کتب کا عادی بنے گی اور تضییعِ اوقات (جو سب سے بڑی محرومی ہے) سے محفوظ رہے گی۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی

(✍ ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی)

تعلیم اور مسلمانوں کا ہر دور میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک تعلیم کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا نور بھی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے نازل ہوا۔

تعلیم کسی بھی قوم کے لیے ترقی کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ہے۔ جو قومیں علم حاصل کرنے میں کمال پیدا کرتے ہوئے اس کی روشنی سے استفادہ کرتی ہیں وہی قومیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کر کے دنیا پر حکمرانی کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرتی ہیں۔

دورِ حاضر میں مسلمانوں میں تعلیمی پسماندگی کا گراف تشویش ناک ہے۔ ۵۷/ آزاد اور خود مختار اسلامی ممالک کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا تقریباً سوا ارب ہے اس آبادی کا تقریباً ۴۰/ فی صد حصہ اَن پڑھ ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں موجود ۲۰/ فی صد یونیورسٹیز کی تعداد تقریباً ۳۵۰/ ہے۔ جن میں نمایاں طور پر جامعہ الازہر (قاہرہ مصر ۹۷۰ء)، پنجاب یونی ورسٹی (لاہور ۱۸۸۲ء)، تہران یونی ورسٹی (دانش گاہِ تہران ۱۸۵۱ء)، انڈونیشیا یونی ورسٹی (جکارتہ ۱۹۵۰ء)، جامعہ ملک سعود (ریاض ۱۹۵۷ء) وغیرہ شامل ہیں۔ اِن یونیورسٹیوں سے سالانہ ایک ہزار افراد پی ایچ ڈی کرتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں اِن اسلامی ممالک کی مجموعی افرادی قوت صرف ۸۰/ لاکھ کے قریب ہے۔ جو ان شعبوں میں مصروف عالمی آبادی کا تقریباً ۴/ فی صد ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال ایک لاکھ سے زائد سائنسی کتب اور ۲۰/ لاکھ سے زائد سائنسی مقالات شائع ہوتے ہیں۔ جب کہ اسلامی ممالک سے شائع ہونے والی

سائنسی اور تحقیقی کتب اور مقالات کی سالانہ تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے۔ اور یہ سب عصری تعلیم میں مسلمانوں کی تشویش ناک پسماندگی کا ایک ثبوت ہے۔

مختلف اخباری رپورٹوں کی بنیاد پر کیا گیا درج بالا تجزیہ اُن اسلامی ممالک کا مجموعی حال ہے۔ جن کی آزاد مملکتیں زمین کے تقریباً تین کروڑ مربع کلومیٹر پر محیط ہیں۔ یہ وہ مملکتیں ہیں جو دنیا میں موجود تیل کے مجموعی ذخائر کے تین چوتھائی حصے کی مالک ہیں اور جنہیں بے پناہ قدرتی وسائل سے استفادے کی سہولت میسر ہے۔ باوجود اس کے عصری تعلیم میں مغرب سے مقابلہ کرنے کی بجائے غفلت اور تساہلی نے اسلامی ممالک کو ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ افسوس ناک پہلو تو یہ ہے کہ مسلمان آج عصری تعلیم میں تو پسماندگی کے شکار ہیں ہی ساتھ ہی ساتھ دینی تعلیم میں بھی مسلمانوں کی ترقی قابلِ ذکر نہیں ہے۔

وطنِ عزیز ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی کیفیت بھی بڑی دگرگوں اور حد درجہ تشویش ناک ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کے جملہ شعبہ جات سے متعلق تحقیقی جائزہ لینے کے لیے حکومت ہند نے ۲۰۰۴ء میں جسٹس راجندر سچر کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی۔ جس نے بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی سے ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی، تعلیمی، سماجی اور دیگر شعبوں سے متعلق جو رپورٹ پیش کی وہ نہایت چشم کشا اور المیہ انگیز ہے۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق بہ حیثیتِ مجموعی مسلمان ہندوستان میں نہایت پسماندہ ہیں، نہ تو معاشی طور پر مضبوط ہیں اور نہ ہی سماجی طور پر دیگر قوموں کے مقابلہ میں بلند معیار ہیں، رہا مسئلہ تعلیم کا تو تعلیم کے علمبردار ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی نہایت درجہ تشویش ناک ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں عموماً یہ تصور عام رہا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو زیادہ تر مذہبی تعلیم ہی دلواتے ہیں۔ لیکن سچر کمیٹی نے اس حقیقت کو بھی واشگاف کیا کہ مسلمانوں کے صرف چار فی صد بچے ہی دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار

صرف عام لوگوں کے لیے ہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے لیے بھی کسی المیہ سے کم نہیں کہ ہندوستان میں صرف چار فی صد مسلم بچے دینی تعلیم کے حصول میں کوشاں ہیں جب کہ آبادی کے تناسب سے یہ اعداد و شمار کم از کم ۵۰/ فی صد تو ہونے چاہئیں۔ لیکن مسلمان عصری تعلیم تو کجا، دینی تعلیم میں بھی پسماندگی کا شکار ہیں۔

سچر کمیٹی کی رپورٹ میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے اجزا کا جب ہم تحلیلی جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ہندوستان کی مجموعی آبادی کے لحاظ سے عصری درسگاہوں، اسکولس، کالجز اور یونی ورسٹیز میں ہماری تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے لائق ہے۔ ہندوستان کی مجموعی شرح خواندگی حالیہ مردم شماری کے مطابق ۶۵/ فی صد ہے۔ مسلمانوں میں یہ شرح ۵۹/ فی صد ہے جب کہ ہندو ۶۵/ فی صد، عیسائی ۸۰/ فی صد، سکھ ۶۹/ فی صد، بدھ ۷۲/ فی صد اور جین ۹۴/ فی صد کے ساتھ تعلیمی میدان میں سب سے آگے ہیں۔ مسلمانوں میں مردوں کی شرح خواندگی ۶۸/ فی صد اور عورتوں کی شرح خواندگی ۵۰/ فی صد ہے، جو کہ متذکرہ بالا شمار کرائے گئے دیگر مذاہب کی شرح خواندگی سے بہت ہی کم ہے۔ جس مذہبِ مہذب کی بنیاد ہی تعلیم و تعلم پر ہے، اور جس کے مقدس پیغمبر معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین اور اُن پر نازل شدہ قرآن کریم کی بے شمار آیات تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرے، آخر کیوں اُسی مذہب کے ماننے والے تعلیم کے میدان میں افسوسناک حد تک دیگر مذاہب سے اس قدرَ بچھڑے ہوئے ہیں کہ الامان والحفیظ!!

مسلمانوں کا شاندار ماضی بس ایک قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب تو حالات اس قدرَ سنگین ہو چکے ہیں کہ اپنی علمی فتوحات سے بھی ہم ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی دورِ حاضر میں تعلیمی پسماندگی ہمارے لیے سامانِ عبرت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس کی ذمہ داری حکومت کے سر نہ ڈالتے ہوئے اپنا احتساب کریں کہ ہم اپنی اور اپنی قوم کی تعلیمی ترقی کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں میں امیر طبقے کو چاہیے کہ وہ غریبوں کے تعلیمی

اخراجات برداشت کرنے کے لیے اپنے تئیں اسکالرشپ اور وظائف کا نظم کرے تاکہ مسلم قوم کا تعلیمی میدان میں جاری جمود پر کنٹرول کیا جاسکے۔

تعلیمی پسماندگی کے اس عبرت ناک اور تشویش ناک منظر نامے پر خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے صاحب سجادہ حضرت اقدس پروفیسر ڈاکٹر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ دام ظلہٗ کے قول: ''آدھی روٹی کھایئے بچوں کو پڑھایئے'' پر سنجیدگی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ دینی و عصری تعلیم سے دوری کے سبب پیدا شدہ پسماندگی کے اس عالمی تناظر میں باوقار زندگی گذارنے کے لیے تعلیم کا حصول نہایت اہم اور ضروری ہے۔ مسلم اُمّہ کو اپنا کھویا ہوا وقار واپس لانے کے لیے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کے میدان میں کامرانیوں کا عَلَم بلند کرنا بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ عصری تعلیم کے حصول کے بغیر ہم ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بہ شانہ ہرگز نہیں چل سکتے۔